

مَا يَكُمُ بَيْنِي وَبَيْنَهُمْ إِلَّا كَلَامُ الرَّاشِدِينَ الْمُهَيَّيَّنِ

ماہنامہ  
جہانِ مسلم

# السنۃ



ذی القعدہ ۱۴۲۹ھ نومبر ۲۰۰۸ء



غلام مصطفیٰ ظہیر امن پوری

فقہ السنۃ

ایمان کیا ہے؟

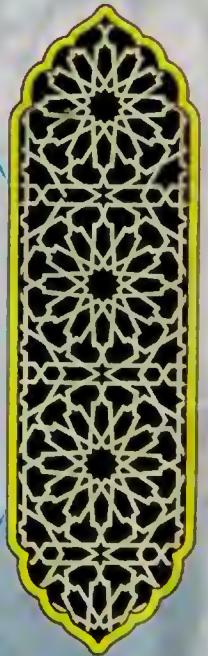
تبرکات کی شرعی حیثیت

کیا قہقہہ لگانے سے وضو ٹوٹ جاتا ہے؟

آؤ عمل کریں!

کوئی صحیح حدیث قرآن کے مخالف نہیں

متنفل کی اقتدا میں فرض نماز



رَبِّ الْمُتَّقِينَ وَالتَّحْقِيقِ، جہلم، پاکستان



www.ahlesunnatpk.com

## اہل سنت کون؟

حافظ ابو یحییٰ نور پوری

قوام السنہ امام ابو القاسم الاصہبانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

”ہم آپ کی سنت کو صحیح احادیث کے ذریعے پہچان پاتے ہیں، اہل حدیث سب سے بڑھ کر صحیح احادیث کو تلاش کرتے، ان میں دلچسپی رکھتے اور ان کی پیروی کرتے ہیں، چنانچہ قرآن و سنت سے ہمیں معلوم ہو گیا ہے کہ اہل حدیث ہی اہل سنت ہیں، کیونکہ کسی بھی پیشے کی طرف نسبت کرنے والا اس وقت اپنے دعوے میں جھوٹا ہوگا، جب اس کے پاس کوئی دلیل نہ ہوگی اور ہر کارِ دیگر اپنے پیشے سے متعلق آلے کے ذریعے اپنے پیشے کو ثابت کرتا ہے، مثال کے طور پر جب آپ کسی شخص کو دیکھیں کہ وہ اپنی دکان کا دروازہ کھولے ہوئے ہو، اس کے سامنے لوہے والی بھٹی اور تھوڑا وغیرہ پڑا ہو تو آپ فوراً پہچان لیں گے کہ وہ لوہار ہے، اسی طرح جب کوئی اپنے سامنے سوئی اور قینچی وغیرہ رکھے ہوئے ہو تو پہچان لیں گے کہ وہ درزی ہے، یہی حال باقی پیشوں کا ہے، اس کے برعکس اگر کوئی کھجوریں بیچنے والا خوشبو فروش کو کہے کہ میں بھی خوشبو فروش ہوں، تو وہ کہے گا کہ تو جھوٹا ہے، نیز ہر دیکھنے والا آدمی اس کی تائید کرے گا۔

ہم نے اصحاب الحدیث کو دیکھا ہے کہ وہ احادیثِ نبویہ کی تلاش میں نکلے، معتبر مصادر سے ان کو لے کر ان کو جمع اور حفظ کیا، ان کی پیروی کی دعوت دی اور ان کے مخالفین پر تنقید کی، ان کے پاس احادیث کا ذخیرہ تھا، لہذا جس طرح بزاز (کپڑا فروش) اپنے کپڑے، کھجور فروش اپنی کھجوروں اور عطر فروش اپنے عطر کی نسبت سے مشہور ہو جاتے ہیں، اسی طرح یہ ان احادیث کے ساتھ مشہور (ہو کر اہل حدیث معروف) ہو گئے، جبکہ دیکھنے میں آیا ہے کہ بعض لوگ احادیث صحیحہ کی معرفت اور اتباع سے روگردانی اختیار کیے ہوئے ہیں، احادیث صحیحہ میں بے شک اعتراضات کرتے ہیں، لوگوں کو ان کی تدوین و اشاعت سے روکتے ہیں، نیز احادیث اور اہل حدیثوں کے لیے نازیبا مبالغہاں بیان کرتے ہیں۔

ان دلائل سے معلوم ہوا کہ یہ لوگ جو احادیث صحیحہ کو جمع کرنے، یاد کرنے اور ان کی اتباع کرنے کے شائقین ہیں، وہی اہل سنت کہلانے کے زیادہ مستحق ہیں، کیونکہ علماء کے ہاں سنت کا اتباع صحیح سند والی احادیثِ نبویہ کو لے کر آپ کے احکام پر عمل اور انہی سے اجتناب کا نام ہے۔ یہ واضح دلیل ہے کہ آراء و اہواء کے متبعین کی بجائے یہی لوگ اہل سنت نام کے مستحق ہیں۔

اگر کوئی یہ کہے کہ بات تو ایسے ہی ہے، لیکن ہر فرقہ اپنے کی تائید کے لیے دلائل حدیثیہ پیش کرتا ہے، تو اسے ہمارا یہی جواب ہوگا کہ صحیح حدیث کے مقابلے میں ضعیف، متصل کے مقابلے میں مرسل یا مرفوع کے مقابلے میں موقوف سے حجت کھڑا ہے، وہ اہل حدیث کے برابر نہیں ہو سکتا۔ جو فرمانِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم پر عمل کرتا ہے، وہ قطعی دلیل کا متبع ہے اور جو قوی صحیح حدیث سے حجت لیتا ہے، وہ کمزور و ضعیف روایت سے حجت لینے والے سے بدرجہا بہتر ہے۔

یوں معلوم ہوا کہ صاحبِ سنت صرف قوی صحیح حدیث کی پیروی کرتا ہے، جبکہ صاحبِ الرائے صرف اس حدیث

کی پیروی کرتا ہے جو دل کو بھاتی ہے۔“ (المحجۃ : ۲۱۳/۲ - ۲۱۴)

**فقہ السنۃ:****غلام مصطفیٰ ظہیر امن پوری**

عن ابی سعید قال : خرج علينا رسول الله صلى الله عليه وسلم ونحن نتذاكر المسيح الدجال ، فقال : ألا أخبركم بما هو أخوف عليكم عندي من المسيح الدجال ؟ قال : قلنا : بلى ، فقال : الشُّرك الخفَى ، أن يقوم الرجل يصلى فيزین صلاته لما يرى من نظر رجل .

”سیدنا ابوسعید رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم ہماری طرف آئے ، ہم مسیح دجال کے بارے میں باتیں کر رہے تھے ، آپ نے فرمایا ، کیا میں تمہیں اس سے زیادہ خطرناک چیز کے بارے میں نہ بتاؤں ؟ ہم نے عرض کی ، کیوں نہیں ، فرمایا ، وہ شرک خفی ہے کہ آدمی نماز میں کھڑا ہو تو دوسرے آدمی کے دیکھنے کی وجہ سے نماز کو خوب سنوار کر پڑھے۔“ (مسند الامام احمد : ۳/۳۰۱ سنن ابن ماجہ : ۴۲۰۴ وسندہ حسن : وریع بن عبدالرحمن وثقه الجسور)

۱..... ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم مومنوں پر مہربان تھے ، ان کو ایک فتنہ سے آگاہ کیا اور ڈرایا۔

۲..... زمین پر بہت سارے فتنے جنم لے لیں گے۔

۳..... قرب قیامت مسیح دجال کا فتنہ ظہور پذیر ہوگا۔

۴..... دجال کو ”مسیح“ اس لیے کہتے ہیں کہ اس میں ایک حسی عیب یہ ہوگا کہ اس کی دائیں آنکھ ممسوح (بند) ہوگی۔

۵..... دجال انسان ہوگا۔

۶..... دجال معنوی عیوب و جل و کراور کذب و زور جیسی قبیح صفات سے متصف ہوگا۔

۷..... آدم علیہ السلام سے لے کر ہر پاپا ہونے والے فتنوں میں فتنہ دجال سب سے بڑا ہوگا۔

۸..... اللہ تعالیٰ کا ہر کام حکمت پر مبنی ہے ، خواہ اس حکمت تک ہماری رسائی نہ ہو سکے۔

۹..... اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کو فتنوں میں آزماتا ہے۔

۱۰..... فتنوں سے خبردار اور بچ کر رہنا چاہیے۔

۱۱..... علمائے دین کی ذمہ داری ہے کہ وہ عوام کو فتنوں سے آگاہی دیں۔

۱۲..... علمی مجالس کا اہتمام ہونا چاہیے۔

۱۳..... شرک کی دو قسمیں ہیں ، ایک شرک جلی ، جیسے غیر اللہ کے سامنے رکوع و سجود کرنا ، تعظیماً جھکنا وغیرہ ، دوسری قسم شرک خفی ہے ، جس کا تعلق دل سے ہے ، وہ ریا کاری ہے ، سوائے اللہ کے اسے کوئی نہیں جانتا۔

۱۴..... دکھاوے کی نماز شرک اصغر یا شرک خفی ہے۔

۱۵..... شرک اصغر کبیرہ گناہ اور حرام و ممنوع ہے۔

۱۶..... جھوٹی تعریف اور تعظیم کا متعنی شرک اصغر میں مبتلا ہوتا ہے۔

۱۷..... نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اپنے صحابہ کے بارے میں ریا کاری سے ڈرتے تھے۔

۱۸..... بسا اوقات ظاہری وحسی فتنہ سے باطنی فتنہ زیادہ مضرت کا باعث ہوتا ہے۔ ۱۹..... شرک ہر صورت میں مذموم ہے۔

- ۲۰..... اللہ تعالیٰ ہر قسم کے شرک سے بیزار اور پاک ہے۔ ۲۱..... اعمالِ صالحہ کے لیے اخلاص شرط ہے۔
- ۲۲..... قلبی اعمال پر بھی پکڑ ہو سکتی ہے۔ ۲۳..... اصلاحِ قلب ضروری ہے۔
- ۲۴..... ظاہر باطن کے تابع ہوتا ہے۔ ۲۵..... کبائر کا مرتکب ملتِ اسلامیہ سے خارج نہیں ہے۔
- ۲۶..... نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فتنوں کے بارے میں آگاہی اللہ کے حکم سے دی ہے۔
- ۲۷..... مردوں کے خطاب میں عورتیں بھی برابر کی شریک ہوتی ہیں، الا یہ کہ ان کے بارے میں خصوصی حکم جاری ہو جائے۔
- ۲۸..... گناہوں کے مراتب میں تفاوت ہوتا ہے۔
- ۲۹..... اللہ تعالیٰ کی معصیت و نافرمانی ایمان کے لیے باعثِ مضرت ہوتی ہے۔
- ۳۰..... جلوت و غلوت دونوں حالتوں میں کسی عمل کا التزام اس کے ریاکاری سے مبرا ہونے کی دلیل ہے۔



ابو عبد اللہ

اہل شرک کی مثال

فرمان باری تعالیٰ ہے: ﴿مَثَلُ الَّذِينَ اتَّخَذُوا مِنْ دُونِ اللَّهِ أَوْلِيَاءَ كَمَثَلِ الْغَنَجِيِّتِ﴾ (العنکبوت: ۲۵)  
 ”ان لوگوں کی مثال جو اللہ کے علاوہ کارساز بنائے ہوئے ہیں، بکڑی جیسی ہے“

اس آیت کے ہر ایک کلمہ کی تفسیر میں حافظ ابن قیم لکھتے ہیں:

”اس مثال میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ مشرکین کمزور ترین مخلوق ہیں، انہوں نے اللہ تعالیٰ کے علاوہ کارساز بنائے ہیں، لیکن وہ ان سے کمزوری کے سوا کچھ حاصل نہ کر سکے، جیسا کہ فرمانِ الہی ہے ”انہوں نے مدد کے لیے اللہ کے علاوہ معبود بنائے، لیکن وہ (معبود) ان کی مدد کی استطاعت نہیں رکھتے اور وہ (روزِ قیامت) ان کے سامنے لشکر کی صورت میں حاضر کیے جائیں گے۔“ (یس: ۷۴-۷۵) ایک مقام پر فرمایا ”انہوں نے اللہ کے علاوہ معبود بنائے تاکہ وہ ان کے لیے طاقت کا سبب بنیں، ہرگز نہیں، عنقریب وہ ان کی عبادت کا انکار کریں گے اور ان کے مخالف ہوں گے۔“ (مریم: ۸۱-۸۲) ایک جگہ مشرک قوموں کی ہلاکت کا تذکرہ کرنے کے بعد فرمایا ”ہم نے ان پر ظلم نہیں کیا تھا، بلکہ انہوں نے خود اپنی جانوں پر ظلم کیا، جب اللہ کا عذاب آیا تو ان کے وہ معبودان باطلہ ان کو ذرا بھی نہ بچا سکے، جن کو وہ پکارا کرتے تھے، انہوں نے ان کو ہلاکت کے علاوہ کچھ نہ دیا۔“ (ہود: ۱۸)

یہ چاروں مقامات قرآنی وضاحت کرتے ہیں کہ جو بھی اللہ کے سوا کسی کو قوت، بڑھوتری اور مدد کے لیے کارساز بناتا ہے، اسے اس سے اپنے مقصود کے برعکس نتیجہ حاصل ہوتا ہے، قرآن میں اس طرح کی اور مثالیں بھی ہیں، لیکن شرک کے بطلان، مشرک کے خسارے اور خلافِ توقع نتائج کے حصول کی یہ واضح مثال ہے۔“ (کتاب الزمناں: ۲۱)

غلام مصطفیٰ امین پوری

## ایمان کا ہے؟

اہل سنت والجماعت اس بات پر متفق ہیں اور یک زبان ہیں کہ:  
 الایمان تصدیق بالجنان (ای القلب) و اقرار باللسان و عمل بالارکان .  
 ”ایمان دل سے تصدیق، زبان سے اقرار اور اعضاء و جوارح کے ساتھ عمل کا نام ہے۔“  
 ایمان کی یہی تعریف سلف صالحین نے ان الفاظ سے کی ہے: قول و عمل .  
 ”ایمان (دل اور زبان کے) قول اور (دل اور اعضاء کے) عمل کا نام ہے۔“  
 امام بخاری ایمان کی تعریف میں فرماتے ہیں: وہ قول و فعل۔  
 ”ایمان (دل اور زبان کے) قول اور (دل اور اعضاء کے) فعل کا نام ہے۔“  
 ان تمام تعریفوں میں کوئی منافات نہیں ہے، کیونکہ شرع میں عمل کا اطلاق قول و فعل پر بھی ہوتا ہے۔  
 حافظ ابن تیمیہ رحمہ اللہ تعریف ایمان میں سلف کی مختلف عبارات کے بارے لکھتے ہیں:

والمقصود هنا أن من قال من السلف: الایمان قول و عمل، أراد قول القلب واللسان وعمل القلب والجوارح، ومن أراد الاعتقاد رأى أن لفظ القول لا يفهم منه إلا القول الظاهر أو خاف ذلك فزاد الاعتقاد بالقلب، ومن قال: قول و عمل ونية، قال: القول يتناول الاعتقاد وقول اللسان، وأما العمل فقد لا يفهم منه النية، فزاد ذلك، ومن زاد اتباع السنة فلان ذلك كله لا يكون محبوباً لله إلا باتباع السنة، وأولئك لم يريدوا كل قول و عمل، إنما أرادوا ما كان مشروعاً من الأقوال والأعمال، ولكن كان مقصودهم الرد على المرجئة الذين جعلوه قولاً فقط، فقالوا: بل قول و عمل .

”جن اسلاف نے ایمان کو قول و عمل کہا ہے، ان کی قول سے مراد دل و زبان کا قول ہے اور عمل سے قلب و جوارح کا عمل مراد ہے، جنہوں نے یہ سوچا ہے کہ لفظ قول صرف ظاہری قول کے لیے مستعمل ہے، انہوں نے اعتقاد قلب کا لفظ بڑھا دیا، جنہوں نے قول، عمل اور نیت سے ایمان کو تعبیر کیا، ان کے ہاں قول اعتقاد اور ظاہری الفاظ دونوں کو شامل ہے، جبکہ عمل سے نیت کا مفہوم نہیں ملتا، لہذا نیت کا لفظ بڑھا دیا، اتباع سنت کا لفظ اس تعریف میں شامل کرنے والوں کے ذہن میں یہ توجیہ تھی کہ اتباع سنت کے بغیر اللہ تعالیٰ کو کوئی عمل پسند نہیں آتا، یعنی انہوں نے ہر قول و عمل کو ایمان کہا، سب کا مقصود مرجعہ کا رد کرنا تھا، جو ایمان کو صرف قول قرار دیتے تھے، سلف نے عمل کو بھی اس میں شامل کر دیا۔“

(مجموع الفتاوى: ۱۷۷/۷)

اہل سنت والجماعت کی اس متفقہ تعریف کے خلاف امام ابو حنیفہ ایمان کی تعریف سے عمل کو خارج کرتے ہیں، جیسا کہ امام وکیع بن الجراح فرماتے ہیں:

ولقد اجتبر أبو حنيفة حين قال: الایمان قول بلا عمل .

”ابوحنیفہ نے یہ کہہ کر بڑی جسارت کی ہے کہ ایمان صرف قول کا نام ہے، عمل کا نہیں۔“

(الانقضاء لابن عبد البر: ۱۲۸، وسندہ صحیح)

جناب عبدالحق تھانی دیوبندی ایمان کی تعریف یوں بیان کرتے ہیں:

”ایمان فقط تصدیق قلب کا نام ہے۔“ (عقائد الاسلام از عبد الصمد حقانی: ۱۳۳)

جو لوگ ایمان کے مسئلہ میں اہل سنت والجماعت کے اجماع کے مخالف ہیں، ان کو سنی کہلانے کا کوئی حق حاصل نہیں۔

## ایمان کا لغوی معنی و مفہوم:

لفظ ایمان باب افعال کا مصدر ہے، اس کے لغوی معنی میں دو مشہور اقوال ہیں:

۱..... اکثر اہل لغت کا کہنا ہے کہ ایمان کا لغوی معنی تصدیق ہے، وہ اس پر اجماع کا دعویٰ بھی کرتے ہیں، چنانچہ ازہری کہتے

ہیں: اتفق أهل العلم من اللغوية وغيرهم أن الإيمان معناه التصديق.

”لغوی اور دوسرے اہل علم کا اتفاق ہے کہ ایمان کا معنی تصدیق ہے۔“ (تسذیب اللغة: ۵۱۳/۵)

اس سلسلے میں ان کی دلیل یہ فرمان الہی ہے:

﴿وَمَا أَنْتَ بِمُؤْمِنٍ لَّنَا وَلَوْ كُنَّا صَادِقِينَ﴾ (یوسف: ۱۷)

”(یوسف علیہ السلام کے بھائیوں نے اپنے باپ سے کہا) کہ آپ ہماری تصدیق کرنے والے نہیں، حالانکہ ہم

سچے ہیں۔“

یہاں ایمان بمعنی تصدیق ہے۔

۱..... سلف صالحین کے نزدیک ایمان لغت میں دو معانی کے لیے آتا ہے:

(ا) جب ”با“ کے ساتھ ہو تو تصدیق کے معنی میں ہوتا ہے، جیسے فرمان باری تعالیٰ ہے:

﴿أَمَنَ الرَّسُولُ بِمَا أُنْزِلَ إِلَيْهِ مِنْ رَبِّهِ وَالْمُؤْمِنُونَ﴾ (البقرة: ۲۸۵)

”رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور مومنوں نے رب کی طرف سے اپنی طرف نازل ہونے والی کلام کی تصدیق کی۔“

(ب) جب ”لام“ کے ساتھ متعدی ہو تو پھر بات ماننے کی معنی میں ہوتا ہے، جیسے ﴿وَمَا أَنْتَ بِمُؤْمِنٍ لَّنَا﴾

(یوسف: ۱۷) اور ﴿فَأَمِنْ لَهُ، لَوْ ط﴾ (النکبوت: ۳۶) میں ہے۔

سلف صالحین نے ایمان کو صرف تصدیق کے ساتھ خاص کرنے کا رد کیا ہے اور فرمایا ہے کہ ایمان میں اگرچہ تصدیق

بھی شامل ہے، لیکن وہ صرف تصدیق کا نام نہیں، بلکہ اقرار و طمانینت بھی اس میں شامل ہے، ان کا استدلال درج ذیل تین

طرح سے ہے:

(ا) لفظ ایمان ”با“ اور ”لام“ دونوں کے ساتھ متعدی ہوتا ہے، جبکہ لفظ تصدیق یا تو خود ہی متعدی ہوتا ہے یا ”با“ سے۔

(ب) ایمان میں امن، تصدیق اور امانت، تین معانی پائے جاتے ہیں، جبکہ تصدیق میں امن اور امانت کے معانی موجود

نہیں۔



(ج) ایمان صرف خبر غائب کے بارے میں استعمال ہوتا ہے، سورج طلوع ہو گیا، تو اس کے لیے لفظ ایمان نہیں، بلکہ تصدیق مستعمل ہوگا، کیونکہ وہ غائب نہیں رہا، اس کے برعکس لفظ تصدیق غائب و حاضر دونوں طرح کے امور کے لیے استعمال ہو جاتا ہے۔

(د) ایمان کی ضد کفر ہے اور اس میں صرف تکذیب نہیں ہوتی، بلکہ یہ عام ہے، بسا اوقات حقیقت جانتے ہوئے بھی مخالفت کی جاتی ہے، یہ بڑا کفر ہے، جبکہ تصدیق کی ضد صرف تکذیب ہے۔

اس تقابل سے معلوم ہوا کہ ایمان صرف تصدیق کا نام نہیں، بلکہ یہ کچھ اور چیزوں کو بھی شامل ہے۔  
۲..... اللہ کی کلام اور شریعت خبر اور امر و دوزخ پر مشتمل ہے، خبر کے لیے تصدیق اور امر کے لیے انفیاد ظاہری ضروری ہے، جب خبر کو تصدیق اور امر کو اطاعت کے ذریعے قبول کیا جائے، تب اصل ایمان حاصل ہوتا ہے۔

اگر اہل لغت کی طرح ایمان کو صرف تصدیق کہا جائے تو ایمان کا ایک جز و حاصل ہوگا، دوسرا رہ جائے گا۔ واضح رہے کہ اہلس کفر تصدیق نہ کرنے کی وجہ سے نہ تھا، اس نے اللہ تعالیٰ کے حکم کو سن کر اس حکم کی تکذیب نہیں کی، بلکہ ظاہری اطاعت سے انکار کیا تھا، اس تکبر کی وجہ سے وہ کافر قرار پایا۔

### ایمان کو صرف تصدیق قرار دینے کے نقصانات:

متاخرین میں سے بہت سارے لوگ اس مسئلہ میں پھسل گئے ہیں اور یہ سمجھ لیا ہے کہ ایمان صرف تصدیق کا نام ہے، لیکن جب وہ دیکھتے ہیں کہ اہلس کفر و فرعون نے تکذیب نہیں کی یا یہ تکذیب صرف زبانی تھی، دل سے انہیں معلوم تھا، تو پریشان ہو جاتے ہیں۔

ایسے لوگ اگر سلف صالحین کی بتائی ہوئی راہ پر چل پڑیں تو انہیں معلوم ہو جائے گا کہ ایمان قول و عمل کا نام ہے، یعنی اللہ و رسول اور ان کی تعلیمات کی دل سے تصدیق، زبان سے ان کا اقرار اور اعضاء سے عمل بجالانا ہے۔

تصدیق و انفیاد میں سے کوئی چیز رہ جائے تو ایمان نہیں رہتا، اگر تصدیق موجود ہے، لیکن تکبر و عناد ظاہری انفیاد سے مانع ہے تو بھی ایمان نہیں، جیسے اہلس کفر تکذیب نہیں، بلکہ استکباری ہے، اس کے برعکس عیسائیوں کا کفر جہالت کی وجہ سے تکذیب ہی ہے، جبکہ یہودی جانتے بوجھتے اسلام کی مانتی سے انکاری ہیں، جیسا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ان کا ایک گروہ آیا، آپ سے کچھ سوالات پوچھے، آپ نے ان کے جواب دے دیئے، تو کہنے لگے، ہم گواہی دیتے ہیں کہ آپ اللہ کے نبی ہیں، لیکن اس کے باوجود انہوں نے آپ کا اتباع نہیں کیا۔ (مسند احمد: ۳۲۹/۴، سنن نسائی: ۴۰۸۳، جامع ترمذی: ۳۸۳۲، ۳۱۴۴، ۳۱۴۵، ۳۱۴۶، ۳۱۴۷، ۳۱۴۸، ۳۱۴۹، ۳۱۵۰، ۳۱۵۱، ۳۱۵۲، ۳۱۵۳، ۳۱۵۴، ۳۱۵۵، ۳۱۵۶، ۳۱۵۷، ۳۱۵۸، ۳۱۵۹، ۳۱۶۰، ۳۱۶۱، ۳۱۶۲، ۳۱۶۳، ۳۱۶۴، ۳۱۶۵، ۳۱۶۶، ۳۱۶۷، ۳۱۶۸، ۳۱۶۹، ۳۱۷۰، ۳۱۷۱، ۳۱۷۲، ۳۱۷۳، ۳۱۷۴، ۳۱۷۵، ۳۱۷۶، ۳۱۷۷، ۳۱۷۸، ۳۱۷۹، ۳۱۸۰، ۳۱۸۱، ۳۱۸۲، ۳۱۸۳، ۳۱۸۴، ۳۱۸۵، ۳۱۸۶، ۳۱۸۷، ۳۱۸۸، ۳۱۸۹، ۳۱۹۰، ۳۱۹۱، ۳۱۹۲، ۳۱۹۳، ۳۱۹۴، ۳۱۹۵، ۳۱۹۶، ۳۱۹۷، ۳۱۹۸، ۳۱۹۹، ۳۲۰۰، ۳۲۰۱، ۳۲۰۲، ۳۲۰۳، ۳۲۰۴، ۳۲۰۵، ۳۲۰۶، ۳۲۰۷، ۳۲۰۸، ۳۲۰۹، ۳۲۱۰، ۳۲۱۱، ۳۲۱۲، ۳۲۱۳، ۳۲۱۴، ۳۲۱۵، ۳۲۱۶، ۳۲۱۷، ۳۲۱۸، ۳۲۱۹، ۳۲۲۰، ۳۲۲۱، ۳۲۲۲، ۳۲۲۳، ۳۲۲۴، ۳۲۲۵، ۳۲۲۶، ۳۲۲۷، ۳۲۲۸، ۳۲۲۹، ۳۲۳۰، ۳۲۳۱، ۳۲۳۲، ۳۲۳۳، ۳۲۳۴، ۳۲۳۵، ۳۲۳۶، ۳۲۳۷، ۳۲۳۸، ۳۲۳۹، ۳۲۴۰، ۳۲۴۱، ۳۲۴۲، ۳۲۴۳، ۳۲۴۴، ۳۲۴۵، ۳۲۴۶، ۳۲۴۷، ۳۲۴۸، ۳۲۴۹، ۳۲۵۰، ۳۲۵۱، ۳۲۵۲، ۳۲۵۳، ۳۲۵۴، ۳۲۵۵، ۳۲۵۶، ۳۲۵۷، ۳۲۵۸، ۳۲۵۹، ۳۲۶۰، ۳۲۶۱، ۳۲۶۲، ۳۲۶۳، ۳۲۶۴، ۳۲۶۵، ۳۲۶۶، ۳۲۶۷، ۳۲۶۸، ۳۲۶۹، ۳۲۷۰، ۳۲۷۱، ۳۲۷۲، ۳۲۷۳، ۳۲۷۴، ۳۲۷۵، ۳۲۷۶، ۳۲۷۷، ۳۲۷۸، ۳۲۷۹، ۳۲۸۰، ۳۲۸۱، ۳۲۸۲، ۳۲۸۳، ۳۲۸۴، ۳۲۸۵، ۳۲۸۶، ۳۲۸۷، ۳۲۸۸، ۳۲۸۹، ۳۲۹۰، ۳۲۹۱، ۳۲۹۲، ۳۲۹۳، ۳۲۹۴، ۳۲۹۵، ۳۲۹۶، ۳۲۹۷، ۳۲۹۸، ۳۲۹۹، ۳۳۰۰، ۳۳۰۱، ۳۳۰۲، ۳۳۰۳، ۳۳۰۴، ۳۳۰۵، ۳۳۰۶، ۳۳۰۷، ۳۳۰۸، ۳۳۰۹، ۳۳۱۰، ۳۳۱۱، ۳۳۱۲، ۳۳۱۳، ۳۳۱۴، ۳۳۱۵، ۳۳۱۶، ۳۳۱۷، ۳۳۱۸، ۳۳۱۹، ۳۳۲۰، ۳۳۲۱، ۳۳۲۲، ۳۳۲۳، ۳۳۲۴، ۳۳۲۵، ۳۳۲۶، ۳۳۲۷، ۳۳۲۸، ۳۳۲۹، ۳۳۳۰، ۳۳۳۱، ۳۳۳۲، ۳۳۳۳، ۳۳۳۴، ۳۳۳۵، ۳۳۳۶، ۳۳۳۷، ۳۳۳۸، ۳۳۳۹، ۳۳۴۰، ۳۳۴۱، ۳۳۴۲، ۳۳۴۳، ۳۳۴۴، ۳۳۴۵، ۳۳۴۶، ۳۳۴۷، ۳۳۴۸، ۳۳۴۹، ۳۳۵۰، ۳۳۵۱، ۳۳۵۲، ۳۳۵۳، ۳۳۵۴، ۳۳۵۵، ۳۳۵۶، ۳۳۵۷، ۳۳۵۸، ۳۳۵۹، ۳۳۶۰، ۳۳۶۱، ۳۳۶۲، ۳۳۶۳، ۳۳۶۴، ۳۳۶۵، ۳۳۶۶، ۳۳۶۷، ۳۳۶۸، ۳۳۶۹، ۳۳۷۰، ۳۳۷۱، ۳۳۷۲، ۳۳۷۳، ۳۳۷۴، ۳۳۷۵، ۳۳۷۶، ۳۳۷۷، ۳۳۷۸، ۳۳۷۹، ۳۳۸۰، ۳۳۸۱، ۳۳۸۲، ۳۳۸۳، ۳۳۸۴، ۳۳۸۵، ۳۳۸۶، ۳۳۸۷، ۳۳۸۸، ۳۳۸۹، ۳۳۹۰، ۳۳۹۱، ۳۳۹۲، ۳۳۹۳، ۳۳۹۴، ۳۳۹۵، ۳۳۹۶، ۳۳۹۷، ۳۳۹۸، ۳۳۹۹، ۳۴۰۰، ۳۴۰۱، ۳۴۰۲، ۳۴۰۳، ۳۴۰۴، ۳۴۰۵، ۳۴۰۶، ۳۴۰۷، ۳۴۰۸، ۳۴۰۹، ۳۴۱۰، ۳۴۱۱، ۳۴۱۲، ۳۴۱۳، ۳۴۱۴، ۳۴۱۵، ۳۴۱۶، ۳۴۱۷، ۳۴۱۸، ۳۴۱۹، ۳۴۲۰، ۳۴۲۱، ۳۴۲۲، ۳۴۲۳، ۳۴۲۴، ۳۴۲۵، ۳۴۲۶، ۳۴۲۷، ۳۴۲۸، ۳۴۲۹، ۳۴۳۰، ۳۴۳۱، ۳۴۳۲، ۳۴۳۳، ۳۴۳۴، ۳۴۳۵، ۳۴۳۶، ۳۴۳۷، ۳۴۳۸، ۳۴۳۹، ۳۴۴۰، ۳۴۴۱، ۳۴۴۲، ۳۴۴۳، ۳۴۴۴، ۳۴۴۵، ۳۴۴۶، ۳۴۴۷، ۳۴۴۸، ۳۴۴۹، ۳۴۵۰، ۳۴۵۱، ۳۴۵۲، ۳۴۵۳، ۳۴۵۴، ۳۴۵۵، ۳۴۵۶، ۳۴۵۷، ۳۴۵۸، ۳۴۵۹، ۳۴۶۰، ۳۴۶۱، ۳۴۶۲، ۳۴۶۳، ۳۴۶۴، ۳۴۶۵، ۳۴۶۶، ۳۴۶۷، ۳۴۶۸، ۳۴۶۹، ۳۴۷۰، ۳۴۷۱، ۳۴۷۲، ۳۴۷۳، ۳۴۷۴، ۳۴۷۵، ۳۴۷۶، ۳۴۷۷، ۳۴۷۸، ۳۴۷۹، ۳۴۸۰، ۳۴۸۱، ۳۴۸۲، ۳۴۸۳، ۳۴۸۴، ۳۴۸۵، ۳۴۸۶، ۳۴۸۷، ۳۴۸۸، ۳۴۸۹، ۳۴۹۰، ۳۴۹۱، ۳۴۹۲، ۳۴۹۳، ۳۴۹۴، ۳۴۹۵، ۳۴۹۶، ۳۴۹۷، ۳۴۹۸، ۳۴۹۹، ۳۵۰۰، ۳۵۰۱، ۳۵۰۲، ۳۵۰۳، ۳۵۰۴، ۳۵۰۵، ۳۵۰۶، ۳۵۰۷، ۳۵۰۸، ۳۵۰۹، ۳۵۱۰، ۳۵۱۱، ۳۵۱۲، ۳۵۱۳، ۳۵۱۴، ۳۵۱۵، ۳۵۱۶، ۳۵۱۷، ۳۵۱۸، ۳۵۱۹، ۳۵۲۰، ۳۵۲۱، ۳۵۲۲، ۳۵۲۳، ۳۵۲۴، ۳۵۲۵، ۳۵۲۶، ۳۵۲۷، ۳۵۲۸، ۳۵۲۹، ۳۵۳۰، ۳۵۳۱، ۳۵۳۲، ۳۵۳۳، ۳۵۳۴، ۳۵۳۵، ۳۵۳۶، ۳۵۳۷، ۳۵۳۸، ۳۵۳۹، ۳۵۴۰، ۳۵۴۱، ۳۵۴۲، ۳۵۴۳، ۳۵۴۴، ۳۵۴۵، ۳۵۴۶، ۳۵۴۷، ۳۵۴۸، ۳۵۴۹، ۳۵۵۰، ۳۵۵۱، ۳۵۵۲، ۳۵۵۳، ۳۵۵۴، ۳۵۵۵، ۳۵۵۶، ۳۵۵۷، ۳۵۵۸، ۳۵۵۹، ۳۵۶۰، ۳۵۶۱، ۳۵۶۲، ۳۵۶۳، ۳۵۶۴، ۳۵۶۵، ۳۵۶۶، ۳۵۶۷، ۳۵۶۸، ۳۵۶۹، ۳۵۷۰، ۳۵۷۱، ۳۵۷۲، ۳۵۷۳، ۳۵۷۴، ۳۵۷۵، ۳۵۷۶، ۳۵۷۷، ۳۵۷۸، ۳۵۷۹، ۳۵۸۰، ۳۵۸۱، ۳۵۸۲، ۳۵۸۳، ۳۵۸۴، ۳۵۸۵، ۳۵۸۶، ۳۵۸۷، ۳۵۸۸، ۳۵۸۹، ۳۵۹۰، ۳۵۹۱، ۳۵۹۲، ۳۵۹۳، ۳۵۹۴، ۳۵۹۵، ۳۵۹۶، ۳۵۹۷، ۳۵۹۸، ۳۵۹۹، ۳۶۰۰، ۳۶۰۱، ۳۶۰۲، ۳۶۰۳، ۳۶۰۴، ۳۶۰۵، ۳۶۰۶، ۳۶۰۷، ۳۶۰۸، ۳۶۰۹، ۳۶۱۰، ۳۶۱۱، ۳۶۱۲، ۳۶۱۳، ۳۶۱۴، ۳۶۱۵، ۳۶۱۶، ۳۶۱۷، ۳۶۱۸، ۳۶۱۹، ۳۶۲۰، ۳۶۲۱، ۳۶۲۲، ۳۶۲۳، ۳۶۲۴، ۳۶۲۵، ۳۶۲۶، ۳۶۲۷، ۳۶۲۸، ۳۶۲۹، ۳۶۳۰، ۳۶۳۱، ۳۶۳۲، ۳۶۳۳، ۳۶۳۴، ۳۶۳۵، ۳۶۳۶، ۳۶۳۷، ۳۶۳۸، ۳۶۳۹، ۳۶۴۰، ۳۶۴۱، ۳۶۴۲، ۳۶۴۳، ۳۶۴۴، ۳۶۴۵، ۳۶۴۶، ۳۶۴۷، ۳۶۴۸، ۳۶۴۹، ۳۶۵۰، ۳۶۵۱، ۳۶۵۲، ۳۶۵۳، ۳۶۵۴، ۳۶۵۵، ۳۶۵۶، ۳۶۵۷، ۳۶۵۸، ۳۶۵۹، ۳۶۶۰، ۳۶۶۱، ۳۶۶۲، ۳۶۶۳، ۳۶۶۴، ۳۶۶۵، ۳۶۶۶، ۳۶۶۷، ۳۶۶۸، ۳۶۶۹، ۳۶۷۰، ۳۶۷۱، ۳۶۷۲، ۳۶۷۳، ۳۶۷۴، ۳۶۷۵، ۳۶۷۶، ۳۶۷۷، ۳۶۷۸، ۳۶۷۹، ۳۶۸۰، ۳۶۸۱، ۳۶۸۲، ۳۶۸۳، ۳۶۸۴، ۳۶۸۵، ۳۶۸۶، ۳۶۸۷، ۳۶۸۸، ۳۶۸۹، ۳۶۹۰، ۳۶۹۱، ۳۶۹۲، ۳۶۹۳، ۳۶۹۴، ۳۶۹۵، ۳۶۹۶، ۳۶۹۷، ۳۶۹۸، ۳۶۹۹، ۳۷۰۰، ۳۷۰۱، ۳۷۰۲، ۳۷۰۳، ۳۷۰۴، ۳۷۰۵، ۳۷۰۶، ۳۷۰۷، ۳۷۰۸، ۳۷۰۹، ۳۷۱۰، ۳۷۱۱، ۳۷۱۲، ۳۷۱۳، ۳۷۱۴، ۳۷۱۵، ۳۷۱۶، ۳۷۱۷، ۳۷۱۸، ۳۷۱۹، ۳۷۲۰، ۳۷۲۱، ۳۷۲۲، ۳۷۲۳، ۳۷۲۴، ۳۷۲۵، ۳۷۲۶، ۳۷۲۷، ۳۷۲۸، ۳۷۲۹، ۳۷۳۰، ۳۷۳۱، ۳۷۳۲، ۳۷۳۳، ۳۷۳۴، ۳۷۳۵، ۳۷۳۶، ۳۷۳۷، ۳۷۳۸، ۳۷۳۹، ۳۷۴۰، ۳۷۴۱، ۳۷۴۲، ۳۷۴۳، ۳۷۴۴، ۳۷۴۵، ۳۷۴۶، ۳۷۴۷، ۳۷۴۸، ۳۷۴۹، ۳۷۵۰، ۳۷۵۱، ۳۷۵۲، ۳۷۵۳، ۳۷۵۴، ۳۷۵۵، ۳۷۵۶، ۳۷۵۷، ۳۷۵۸، ۳۷۵۹، ۳۷۶۰، ۳۷۶۱، ۳۷۶۲، ۳۷۶۳، ۳۷۶۴، ۳۷۶۵، ۳۷۶۶، ۳۷۶۷، ۳۷۶۸، ۳۷۶۹، ۳۷۷۰، ۳۷۷۱، ۳۷۷۲، ۳۷۷۳، ۳۷۷۴، ۳۷۷۵، ۳۷۷۶، ۳۷۷۷، ۳۷۷۸، ۳۷۷۹، ۳۷۸۰، ۳۷۸۱، ۳۷۸۲، ۳۷۸۳، ۳۷۸۴، ۳۷۸۵، ۳۷۸۶، ۳۷۸۷، ۳۷۸۸، ۳۷۸۹، ۳۷۹۰، ۳۷۹۱، ۳۷۹۲، ۳۷۹۳، ۳۷۹۴، ۳۷۹۵، ۳۷۹۶، ۳۷۹۷، ۳۷۹۸، ۳۷۹۹، ۳۸۰۰، ۳۸۰۱، ۳۸۰۲، ۳۸۰۳، ۳۸۰۴، ۳۸۰۵، ۳۸۰۶، ۳۸۰۷، ۳۸۰۸، ۳۸۰۹، ۳۸۱۰، ۳۸۱۱، ۳۸۱۲، ۳۸۱۳، ۳۸۱۴، ۳۸۱۵، ۳۸۱۶، ۳۸۱۷، ۳۸۱۸، ۳۸۱۹، ۳۸۲۰، ۳۸۲۱، ۳۸۲۲، ۳۸۲۳، ۳۸۲۴، ۳۸۲۵، ۳۸۲۶، ۳۸۲۷، ۳۸۲۸، ۳۸۲۹، ۳۸۳۰، ۳۸۳۱، ۳۸۳۲، ۳۸۳۳، ۳۸۳۴، ۳۸۳۵، ۳۸۳۶، ۳۸۳۷، ۳۸۳۸، ۳۸۳۹، ۳۸۴۰، ۳۸۴۱، ۳۸۴۲، ۳۸۴۳، ۳۸۴۴، ۳۸۴۵، ۳۸۴۶، ۳۸۴۷، ۳۸۴۸، ۳۸۴۹، ۳۸۵۰، ۳۸۵۱، ۳۸۵۲، ۳۸۵۳، ۳۸۵۴، ۳۸۵۵، ۳۸۵۶، ۳۸۵۷، ۳۸۵۸، ۳۸۵۹، ۳۸۶۰، ۳۸۶۱، ۳۸۶۲، ۳۸۶۳، ۳۸۶۴، ۳۸۶۵، ۳۸۶۶، ۳۸۶۷، ۳۸۶۸، ۳۸۶۹، ۳۸۷۰، ۳۸۷۱، ۳۸۷۲، ۳۸۷۳، ۳۸۷۴، ۳۸۷۵، ۳۸۷۶، ۳۸۷۷، ۳۸۷۸، ۳۸۷۹، ۳۸۸۰، ۳۸۸۱، ۳۸۸۲، ۳۸۸۳، ۳۸۸۴، ۳۸۸۵، ۳۸۸۶، ۳۸۸۷، ۳۸۸۸، ۳۸۸۹، ۳۸۹۰، ۳۸۹۱، ۳۸۹۲، ۳۸۹۳، ۳۸۹۴، ۳۸۹۵، ۳۸۹۶، ۳۸۹۷، ۳۸۹۸، ۳۸۹۹، ۳۹۰۰، ۳۹۰۱، ۳۹۰۲، ۳۹۰۳، ۳۹۰۴، ۳۹۰۵، ۳۹۰۶، ۳۹۰۷، ۳۹۰۸، ۳۹۰۹، ۳۹۱۰، ۳۹۱۱، ۳۹۱۲، ۳۹۱۳، ۳۹۱۴، ۳۹۱۵، ۳۹۱۶، ۳۹۱۷، ۳۹۱۸، ۳۹۱۹، ۳۹۲۰، ۳۹۲۱، ۳۹۲۲، ۳۹۲۳، ۳۹۲۴، ۳۹۲۵، ۳۹۲۶، ۳۹۲۷، ۳۹۲۸، ۳۹۲۹، ۳۹۳۰، ۳۹۳۱، ۳۹۳۲، ۳۹۳۳، ۳۹۳۴، ۳۹۳۵، ۳۹۳۶، ۳۹۳۷، ۳۹۳۸، ۳۹۳۹، ۳۹۴۰، ۳۹۴۱، ۳۹۴۲، ۳۹۴۳، ۳۹۴۴، ۳۹۴۵، ۳۹۴۶، ۳۹۴۷، ۳۹۴۸، ۳۹۴۹، ۳۹۵۰، ۳۹۵۱، ۳۹۵۲، ۳۹۵۳، ۳۹۵۴، ۳۹۵۵، ۳۹۵۶، ۳۹۵۷، ۳۹۵۸، ۳۹۵۹، ۳۹۶۰، ۳۹۶۱، ۳۹۶۲، ۳۹۶۳، ۳۹۶۴، ۳۹۶۵، ۳۹۶۶، ۳۹۶۷، ۳۹۶۸، ۳۹۶۹، ۳۹۷۰، ۳۹۷۱، ۳۹۷۲، ۳۹۷۳، ۳۹۷۴، ۳۹۷۵، ۳۹۷۶، ۳۹۷۷، ۳۹۷۸، ۳۹۷۹، ۳۹۸۰، ۳۹۸۱، ۳۹۸۲، ۳۹۸۳، ۳۹۸۴، ۳۹۸۵، ۳۹۸۶، ۳۹۸۷، ۳۹۸۸، ۳۹۸۹، ۳۹۹۰، ۳۹۹۱، ۳۹۹۲، ۳۹۹۳، ۳۹۹۴، ۳۹۹۵، ۳۹۹۶، ۳۹۹۷، ۳۹۹۸، ۳۹۹۹، ۴۰۰۰، ۴۰۰۱، ۴۰۰۲، ۴۰۰۳، ۴۰۰۴، ۴۰۰۵، ۴۰۰۶، ۴۰۰۷، ۴۰۰۸، ۴۰۰۹، ۴۰۱۰، ۴۰۱۱، ۴۰۱۲، ۴۰۱۳، ۴۰۱۴، ۴۰۱۵، ۴۰۱۶، ۴۰۱۷، ۴۰۱۸، ۴۰۱۹، ۴۰۲۰، ۴۰۲۱، ۴۰۲۲، ۴۰۲۳، ۴۰۲۴، ۴۰۲۵، ۴۰۲۶، ۴۰۲۷، ۴۰۲۸، ۴۰۲۹، ۴۰۳۰، ۴۰۳۱، ۴۰۳۲، ۴۰۳۳، ۴۰۳۴، ۴۰۳۵، ۴۰۳۶، ۴۰۳۷، ۴۰۳۸، ۴۰۳۹، ۴۰۴۰، ۴۰۴۱، ۴۰۴۲، ۴۰۴۳، ۴۰۴۴، ۴۰۴۵، ۴۰۴۶، ۴۰۴۷، ۴۰۴۸، ۴۰۴۹، ۴۰۵۰، ۴۰۵۱، ۴۰۵۲، ۴۰۵۳، ۴۰۵۴، ۴۰۵۵، ۴۰۵۶، ۴۰۵۷، ۴۰۵۸، ۴۰۵۹، ۴۰۶۰، ۴۰۶۱، ۴۰۶۲، ۴۰۶۳، ۴۰۶۴، ۴۰۶۵، ۴۰۶۶، ۴۰۶۷، ۴۰۶۸، ۴۰۶۹، ۴۰۷۰، ۴۰۷۱، ۴۰۷۲، ۴۰۷۳، ۴۰۷۴، ۴۰۷۵، ۴۰۷۶، ۴۰۷۷، ۴۰۷۸، ۴۰۷۹، ۴۰۸۰، ۴۰۸۱، ۴۰۸۲، ۴۰۸۳، ۴۰۸۴، ۴۰۸۵، ۴۰۸۶، ۴۰۸۷، ۴۰۸۸، ۴۰۸۹، ۴۰۹۰، ۴۰۹۱، ۴۰۹۲، ۴۰۹۳، ۴۰۹۴، ۴۰۹۵، ۴۰۹۶، ۴۰۹۷، ۴۰۹۸، ۴۰۹۹، ۴۱۰۰، ۴۱۰۱، ۴۱۰۲، ۴۱۰۳، ۴۱۰۴، ۴۱۰۵، ۴۱۰۶، ۴۱۰۷، ۴۱۰۸، ۴۱۰۹، ۴۱۱۰، ۴۱۱۱، ۴۱۱۲، ۴۱۱۳، ۴۱۱۴، ۴۱۱۵، ۴۱۱۶، ۴۱۱۷، ۴۱۱۸، ۴۱۱۹، ۴۱۲۰، ۴۱۲۱، ۴۱۲۲، ۴۱۲۳، ۴۱۲۴، ۴۱۲۵، ۴۱۲۶، ۴۱۲۷، ۴۱۲۸، ۴۱۲۹، ۴۱۳۰، ۴۱۳۱، ۴۱۳۲، ۴۱۳۳، ۴۱۳۴، ۴۱۳۵، ۴۱۳۶، ۴۱۳۷، ۴۱۳۸، ۴۱۳۹، ۴۱۴۰، ۴۱۴۱، ۴۱۴۲، ۴۱۴۳، ۴۱۴۴، ۴۱۴۵، ۴۱۴۶، ۴۱۴۷، ۴۱۴۸، ۴۱۴۹، ۴۱۵۰، ۴۱۵۱، ۴۱۵۲، ۴۱۵۳، ۴۱۵۴، ۴۱۵۵، ۴۱۵۶، ۴۱۵۷، ۴۱۵۸، ۴۱۵۹، ۴۱۶۰، ۴۱۶۱، ۴۱۶۲، ۴۱۶۳، ۴۱۶۴، ۴۱۶۵، ۴۱۶۶، ۴۱۶۷، ۴۱۶۸، ۴۱۶۹، ۴۱۷۰، ۴۱۷۱، ۴۱۷۲، ۴۱۷۳، ۴۱۷۴، ۴۱۷۵، ۴۱۷۶، ۴۱۷۷، ۴۱۷۸، ۴۱۷۹، ۴۱۸۰، ۴۱۸۱، ۴۱۸۲، ۴۱۸۳، ۴۱۸۴، ۴۱۸۵، ۴۱۸۶، ۴۱۸۷، ۴۱۸۸، ۴۱۸۹، ۴۱۹۰، ۴۱۹۱، ۴۱۹۲، ۴۱۹۳، ۴۱۹۴، ۴۱۹۵، ۴۱۹۶، ۴۱۹۷، ۴۱۹۸، ۴۱۹۹، ۴۲۰۰، ۴۲۰۱، ۴۲۰۲، ۴۲۰۳، ۴۲۰۴، ۴۲۰۵، ۴۲۰۶، ۴۲۰۷، ۴۲۰۸، ۴۲۰۹، ۴۲۱۰، ۴۲۱۱، ۴۲۱۲، ۴۲۱۳، ۴۲۱۴، ۴۲۱۵، ۴۲۱۶، ۴۲۱۷، ۴۲۱۸، ۴۲۱۹، ۴۲۲۰، ۴۲۲۱، ۴۲۲۲، ۴۲۲۳، ۴۲۲۴، ۴۲۲۵، ۴۲۲۶، ۴۲۲۷، ۴۲۲۸، ۴۲۲۹، ۴۲۳۰، ۴۲۳۱، ۴۲۳۲، ۴۲۳۳، ۴۲۳۴، ۴۲۳۵، ۴۲۳۶، ۴۲۳۷، ۴۲۳۸، ۴۲۳۹، ۴۲۴۰، ۴۲۴۱، ۴۲۴۲، ۴۲۴۳، ۴۲۴۴، ۴۲۴۵، ۴۲۴۶، ۴۲۴۷، ۴۲۴۸، ۴۲۴۹، ۴۲۵۰، ۴۲۵۱، ۴۲۵۲، ۴۲۵۳، ۴۲۵۴، ۴۲۵۵، ۴۲۵۶، ۴۲۵۷، ۴۲۵۸، ۴۲۵۹، ۴۲۶۰، ۴۲۶۱، ۴۲۶۲، ۴۲۶۳، ۴۲

۳..... اہل لغت نے اس آیت ﴿وَمَا أَنْتَ بِمُؤْمِنٍ لَّنَا﴾ (یوسف: ۱۷) میں ایمان کا معنی جو تصدیق کیا ہے، وہ صحیح نہیں، کیونکہ سلف صالحین نے اس کی تفسیر ”اقرار“ سے کی ہے، نیز یہ تفسیر ”تصدیق“ سے زیادہ بہتر ہے، اس لیے کہ لفظ ایمان جب ”لام“ کے ساتھ متعدی ہو تو اقرار کے معنی میں ہوتا ہے نہ کہ تصدیق کے معنی میں، اس معنی میں تب ہوتا ہے، جب خود بخود متعدی ہو یا ”با“ کے ساتھ متعدی ہو۔

### ابو عبد اللہ

### عبادت کیا ہے؟

عبادت کی سب سے جامع تعریف حافظ ابن تیمیہ رحمہ اللہ نے ان الفاظ سے کی ہے:

”عبادت ایک جامع لفظ ہے جو اللہ تعالیٰ کے تمام پسندیدہ و محبوب، ظاہری و باطنی اقوال و افعال کو شامل ہے، چنانچہ نماز، زکوٰۃ، روزہ، حج، سچائی، امانت کی ادائیگی، والدین سے حسن سلوک، رشتہ داروں سے نیکی، وعدوں کو پورا کرنا، نیکی کا حکم، برائی سے روکنا، کفار و منافقین سے جہاد، پڑوسیوں، یتیموں، مسکینوں، مسافروں اور زیر دست انسانوں اور جانوروں کے ساتھ بھلائی، نیز دعا، ذکر، قراءت وغیرہ سب عبادات ہیں، اسی طرح اللہ و رسول سے محبت، اللہ کا ڈر، اس کی طرف رجوع، خالص اسی کی عبادت، اس کے حکم پر ڈٹ جانا، اس کی نعمتوں پر شکر ادا کرنا، اس کی قضاء و قدر پر راضی ہونا، اس پر توکل کرنا، اس کی رحمت کی امید اور اس کے عذاب کا خوف وغیرہ بھی عبادات ہیں۔“ (المعبرۃ: ۸)

### عبادت کی اقسام:

اس جامع تعریف سے معلوم ہوا کہ عبادت اقوال اور ظاہری و باطنی اعمال سب کو محیط ہے، لہذا عبادت قولی بھی ہیں، عملی بھی ہیں اور اعتقادی بھی، یعنی عبادت دل سے بھی ہوتی ہے، زبان سے بھی اور دوسرے اعضاء سے بھی۔

**اعتقادی عبادات:** یہ عبادت اس عقیدے پر مشتمل ہوتی ہے کہ تمام مخلوقات اللہ ہی کی تخلیق ہیں، اسی کے پاس تصرف ہے اور اس کے سوا کوئی معبود برحق نہیں، نیز صرف وہی ذات اس قابل ہے کہ اس کے لیے محبت، رجاء، خوف، خشوع، رجوع، توکل اور اخلاص کا مظاہرہ کیا جائے، یہی دلی عبادت ہے۔

**قبولی عبادت:** یہ عبادت اللہ و رسول پر ایمان کی گواہی، قرآن کریم کی تلاوت، ہر حال میں ذکر الہی، دعا اور راست گوئی وغیرہ پڑھنی ہے، اسے ہی زبانی عبادت کہتے ہیں۔

**عملی عبادت:** اس میں طہارت، نماز، زکوٰۃ، روزہ، حج، جہاد فی سبیل اللہ اور اعضائے جسمانی سے صادر ہونے والے واجب و مباح کام شامل ہیں، یہی بدنی عبادت کہلاتی ہے۔

قبولیت عبادت کے لیے دو ضروری شرطیں ہیں: اخلاص اور اتباع سنت۔



دفاعِ حدیث:

**متنفل کی اقتدا میں مفترض کی نماز جائز ہے:** حافظ ابو بکریٰ نورپوری

**دلیل نمبر 1:**

عن جابر قال: كان معاذ يصلي مع النبي صلى الله عليه وسلم، ثم يأتي فينوم قومه، فصلى ليلة مع النبي صلى الله عليه وسلم العشاء، ثم أتى قومه فاتهم، فافتتح بسورة البقرة، فانحرف رجل فسلم، ثم صلى وحده وانصرف، فقالوا له: أنافقت يا فلان؟ قال: لا والله! ولا تين رسول الله صلى الله عليه وسلم فلاخبرنه، فأتى رسول الله صلى الله عليه وسلم فقال: يا رسول الله! أنا أصحاب نواضح، نعمل بالنهار، وإن معاذاً صلى معك العشاء، ثم أتى فافتتح بسورة البقرة، فأقبل رسول الله صلى الله عليه وسلم على معاذ فقال: يا معاذ! أفتأنت أنت؟ اقرأ بكذا، واقرأ بكذا.

”سیدنا جابر بن عبد اللہ الانصاری رضی اللہ عنہ بیان فرماتے ہیں کہ سیدنا معاذ رضی اللہ عنہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی اقتدا میں نماز ادا کرتے، پھر آپ کی قوم کی امامت فرماتے تھے، ایک رات انہوں نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے عشاء کی نماز ادا کی، پھر اپنی قوم کو آپ کی نماز پڑھائی اور سورۃ بقرہ کی قراءت شروع کی دی، ایک آدمی نے مڑ کر سلام پھیرا اور اکیلے اپنی نماز ادا کر کے لوٹ گیا، دوسرے صحابہ نے اسے کہا: کیا تو منافق ہو گیا ہے؟ اس نے جواباً کہا: اللہ کی قسم ایسا نہیں ہے، میں ضرور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس جا کر آپ کو یہ بات بتاؤں گا، چنانچہ اس نے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس حاضر ہو کر عرض کی: اے اللہ کے رسول! ہم سارا دن اونٹوں کے ذریعے کھیتوں کو پانی دیتے ہیں، معاذ نے آپ کے ساتھ عشاء کی نماز پڑھی، پھر آ کر ہمارے پاس سورہ بقرہ شروع کر دی! رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے معاذ رضی اللہ عنہ کی طرف متوجہ ہو کر فرمایا: اے معاذ! کیا تو دین سے متنفر کرتا ہے؟ تو فلاں فلاں سورت پڑھا کر۔“

(صحیح بخاری: ۹۷۸/۷: ۷۰۰ صحیح مسلم: ۱۸۷/۸: ۶۶۵ واللفظ لہ)

امام ترمذی (۲۷۹ھ) اس حدیث کے تحت لکھتے ہیں:

هذا حديث حسن صحيح والعمل على هذا عند أصحابنا الشافعي وأحمد وإسحاق، قالوا: إذا أم الرجل القوم في المكتوبة وقد كان صلاها قبل ذلك، ان صلاة من اثم به جائزة واحتجوا بحديث جابر في قصة معاذ وهو حديث صحيح، وقد روى من غير وجه عن جابر.

”یہ حدیث حسن صحیح ہے، ہمارے ساتھیوں (محدثین) کا اسی پر عمل ہے، ان میں امام شافعی، امام احمد بن حنبل اور امام اسحاق بن راہویہ شامل ہیں، ان کا کہنا ہے کہ جب ایسا آدمی فرضوں میں لوگوں کی امامت کرے، جو خود اس سے پہلے وہی نماز پڑھ چکا ہو، تو اس کی اقتدا کرنے والوں کی نماز جائز ہے، انہوں نے سیدنا معاذ کے قصہ والی جابر کی حدیث سے دلیل لی ہے اور یہ حدیث صحیح ہے، جابر سے اور بھی کئی سندوں سے یہ حدیث مروی ہے۔ (جامع ترمذی تحت حدیث: ۵۸۳)

اب اس حدیث پر محدثین کی تبویب بھی ملاحظہ فرمائیں:

امام ترمذی فرماتے ہیں: باب ما جاء في الذي يصلي الفريضة ثم يؤم الناس بعد ذلك .  
 ”ان روایات کا بیان جو اس شخص کے بارے میں آئی ہیں کہ جو فرض پڑھ لیتا ہے، پھر اس کے بعد لوگوں کو نماز پڑھاتا ہے۔“

امام الائمہ ابن خزیمہ (م ۳۱۱ھ) لکھتے ہیں: باب اباحة ائتمام المصلی فريضة بالمصلی نافلة ، ضد قول من زعم من العرافيين أنه غير جائز أن يأتم المصلی فريضة بالمصلی نافلة .  
 ”اس بات کا بیان کہ نفل پڑھنے والے کی اقتداء میں فرض پڑھنے والے کی نماز جائز ہے، بخلاف کوئیوں کے کہ ان کے خیال میں فرض پڑھنے والے کے لئے نفل پڑھنے والے کی اقتداء ناجائز ہے۔“ (صحیح ابن خزیمہ : ۶۶/۲ : باب : ۱۳۰)  
 امام ابن حبان فرماتے ہیں:

ذكر الاباحة لمن صلى جماعة فرضه أن يؤم قوما بتلك الصلوة .  
 ”جو شخص باجماعت فرض پڑھے، تو اس کا اپنی قوم کو وہی نماز پڑھانا جائز ہے۔“ (صحیح ابن حبان : ۱۶۲/۶ : ج : ۲۶۰۲)  
 امام ابوداؤد (م ۲۷۵ھ) لکھتے ہیں:

باب امامة من صلى يقوم وقد صلى تلك الصلوة .  
 ”اس شخص کی لوگوں کو امامت کا بیان جو وہی نماز پہلے پڑھ چکا ہو۔“ (سنن أبی داود حدیث : ۵۹۹)  
 امام دارقطنی (م ۳۵۸ھ) کی تبویب یوں ہے:

باب ذكر صلاة المفترض خلف المتفعل . (سنن دارقطنی : ۲۸۸)  
 امام بیہقی (م ۴۵۸ھ) ان احادیث پر یوں تبویب فرماتے ہیں: باب الفريضة خلف من يصلي النافلة .  
 ”نفل پڑھنے والے کی اقتداء میں فرض پڑھنے کا بیان۔“ (السنن الكبرى للبيهقي : ۸۵/۳)  
 حافظ نووی (م ۶۷۲ھ) رقم طراز ہیں: باب صحة صلاة المفترض خلف المتفعل .  
 ”اس بات کا بیان کہ متفعل کے پیچھے مفترض کی نماز صحیح ہوتی ہے۔“ (خلاصة الاحكام ار نووی : ۶۹۷/۲)  
 امام نسائی کی تبویب یوں ہے: باب اختلاف نية الامام والمأموم .

”امام اور مقتدی کی نیت مختلف ہونے کا بیان۔“

علامہ سندھی حنفی لکھتے ہیں: یرید اقتداء المفترض بالمتفعل . ”امام نسائی کی مراد یہ ہے کہ متفعل (نفل) پڑھنے والے کے پیچھے مفترض (فرض پڑھنے والے) کی نماز۔“ (حاشیة السندی علی النسائی : ۱۰۲/۲)  
 محدثین اپنی روایات کو مقلدین سے بہتر جانتے ہیں۔

قارئین کرام! محدثین تو اس حدیث سے متفعل کے پیچھے مفترض کی نماز کا جواز ثابت کر رہے ہیں، جیسا کہ ان کی تبویب سے عیاں ہے، امام ترمذی کا تبصرہ آپ پڑھ چکے ہیں، اب حافظ نووی کے الفاظ بھی ملاحظہ فرمائیں:

فی هذا الحديث جواز صلاة المفترض خلف المتنفل لأن معاذاً كان يصلي الفريضة مع رسول الله صلى الله عليه وسلم فيسقط فرضه، ثم يصلي مرة ثانية بقومه، هي له تطوع ولهم فريضة، وقد جاء هكذا مصرحاً به في غير مسلم .

”اس حدیث میں متنفل کے پیچھے مفترض کی نماز کا جواز موجود ہے، کیونکہ سیدنا معاذ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ فرض پڑھتے تو ان کا فريضة ساقط ہو جاتا تھا، پھر دوسری دفعہ اپنی قوم کو پڑھاتے، یہ سیدنا معاذ کے لئے نفلی ہوتی اور قوم کے لئے فرضی، یہ بات صحیح مسلم کے علاوہ دوسری کتب میں صراحت سے موجود ہے۔“ (شرح مسلم للنووی: ۱۸۷/۱)

حافظ بغوی لکھتے ہیں: وفيه جواز صلاة المفترض خلف المتنفل، لأن معاذاً كان يؤدى فرضه مع رسول الله صلى الله عليه وسلم ثم يرجع الى قومه فيؤمهم، هي له نافلة ولهم فريضة .

”اس حدیث میں نفل پڑھنے والے کی اقتدا میں فرض پڑھنے والے کی نماز کا جواز ثابت ہوتا ہے، کیونکہ معاذ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ اپنے فرض ادا کرتے، پھر اپنی قوم کے ہاں لوٹ کر ان کو نماز پڑھاتے، یہ ان کے لئے نفل اور قوم کے لئے فرضی ہوتی تھی۔“ (شرح السنة للبغوی: ۷۷/۲)

حافظ ابن حزم (۴۵۶ھ) لکھتے ہیں: وجائز صلاة الفرض خلف المتنفل، والمنتفل خلف من يصلي الفرض، وصلاة فرض خلف من يصلي صلاة فرض أخرى كل ذلك حسن وسنة .

”فرضی نماز متنفل کے پیچھے، متنفل کی فرض پڑھنے والے کے پیچھے اور فرضی نماز پڑھنے والے کے پیچھے کوئی دوسری فرضی نماز جائز ہے، یہ تمام کام اچھے ہیں اور سنت ہیں۔“ (المحلی لابن حزم: ۳۳۲/۴، مسئلہ: ۴۹۴)

موصوف مزید لکھتے ہیں:

ما نعلم لمن ذكرنا من الصحابة رضى الله عنهم مخالفا أصلاً، وهم يعظمون هذا اذا وافق تقليد هم! و قولنا هذا قول الأوزاعيّ والشافعيّ وأحمد بن حنبل وأبي سليمان وجمهور أصحاب الحديث .

”ہم نے جو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین ذکر کئے ہیں، ان کا کوئی مخالف بالکل ہمارے علم میں نہیں، جب یہ بات (صحابہ کا اختلاف نہ ہونا) مقلدین کی تقلید کے موافق ہو، تو اسے بڑا بڑھا چڑھا کر بیان کرتے ہیں، جبکہ یہاں نظر نہیں آتی۔ جو ہمارا مذہب ہے، وہی امام اوزاعی، امام شافعی، امام احمد بن حنبل، ابوسلیمان اور جمہور اہل حدیث (محدثین) کا مذہب ہے۔“ (المحلی لابن حزم: ۳۳۷/۴)

حافظ ابن حجر لکھتے ہیں: واستدلال بهذا الحديث على صحة اقتداء المفترض بالمنتفل بناء على أن معاذاً كان ينوي بالأولى الفرض وبالتالي النفل .

”اس حدیث سے متنفل کے پیچھے مفترض کی نماز صحیح ہونے پر استدلال کیا گیا ہے، کیونکہ معاذ پہلی نماز میں فرضوں اور دوسری میں نفلوں کی نیت کرتے تھے۔ (فتح البدری: ۱۹۵/۲)

## گھر کی گواہی:

علامہ سندھی حنفی لکھتے ہیں:

فدلالة هذا الحديث على جواز اقتداء المفترض بالمتفعل واضحة والجواب عنه مشكل جدا وأجابوا بما لا يتم .

”یہ حدیث واضح طور پر دلالت کرتی ہے کہ متفعل کی اقتدا مفترض کے لئے جائز ہے، اس کا جواب بہت ہی مشکل ہے، احناف نے اس کے ناقص جوابات دیئے ہیں۔ (حاشیہ السنن علی النسائی: ۱۰۲/۴)

دیکھیں کہ احناف کے ایک بزرگ علامہ سندھی حنفی کتنے واشگاف الفاظ میں بتا رہے ہیں کہ اس حدیث سے اہلحدیث کا مسلک صاف طور پر واضح ہو رہا ہے اور اس کا جواب دینا مشکل ہے، لیکن اس کے باوجود بعض لوگوں نے اپنے آپ کو اس مشکل میں ڈال رکھا ہے اور طرح طرح کی تاویلات کا سہارا لیا ہے۔

## احناف کی تنگدستی:

اس مسئلہ میں ان کی تنگ دستی کا یہ عالم ہے کہ ان کے پاس کوئی صحیح، صریح اور مرفوع روایت تو درکنار، کوئی ضعیف و موضوع روایت بھی نہیں، یہی وجہ ہے کہ جناب انوار خورشید صاحب نے اس مسئلہ کو ”حدیث اور اہلحدیث“ میں پیش ہی نہیں کیا، اگر کوئی ضعیف و موضوع روایت بھی ہوتی تو وہ ضرور عنوان قائم کر دیتے، جیسا کہ ان کی ”روایت“ ہے، اس لئے ”میں نہ مانوں“ کے مصداق احناف نے محض صحیح احادیث کوتاویلات کا نشانہ بنانے پر اکتفا کیا ہے اور مزے کی بات یہ ہے کہ ابن ترکمانی حنفی جو کہ ذرا ذرا سی بات پر امام بیہقی کی تردید اور حدیث میں تاویل کرتے ہیں، حدیث معاذ پر وہ بھی چپ سادھ گئے ہیں، کوئی تاویل نہیں کی۔ (ریکرس الجوہر النقی: ۵۸/۴)

یہاں آل دیوبند کے ”کلیع الامت“ جناب اشرف علی تھانوی دیوبندی کی عبارت قابل ذکر ہے، فرماتے ہیں:

”اکثر مقلدین عوام بلکہ خواص اس قدر جامد ہو جاتے ہیں کہ اگر قول مجتہد کے خلاف کوئی آیت یا حدیث کا ان میں پڑتی ہے، ان کے قلب میں انشراح و انبساط نہیں رہتا، بلکہ اول استزکا ر قلب میں پیدا ہوتا ہے پھر تاویل کی فکر ہوتی ہے خواہ کتنی ہی بعید ہو اور خواہ دوسری دلیل قوی اس کے معارض ہو بلکہ مجتہد کی دلیل اس مسئلہ میں بجز قیاس کے کچھ بھی نہ ہو بلکہ خود اپنے دل میں اس تاویل کی وقعت نہ ہو مگر نصرت مذہب کے لیے تاویل ضروری سمجھتے ہیں، دل نہیں مانتا کہ قول مجتہد کو چھوڑ کر حدیث صحیح پر عمل کر لیں۔“ (تذکرۃ الرشید: ۱۳۱)

اس گھر کو آگ لگ گئی گھر کے چراغ سے

قارئین خود ہی غور فرمائیں کہ اس تھانوی فرمان کے بالکل مطابق جامد مقلدین محض ایک قیاس (کنزور پر قوی کی بناء) کی وجہ سے صحیح و صریح حدیث میں کتنی تاویلات کر رہے ہیں، لیکن ماننے کو تیار نہیں۔

## حدیث معاذ پر اعتراضات اور ان کے جوابات:

اس حدیث کے علاوہ بھی کئی احادیث جن کا ذکر آئندہ آئے گا، اس مسئلہ پر صریح طور پر دلیل ہیں، لیکن ہم پہلے اس حدیث نبوی پر کیے گئے بودے اعتراضات کا جائزہ لیتے ہیں، بقول حافظ ابن حزم:

واعترضوا فی حدیث معاذ بأشیاء نذکرها ، وان کنا غانین عن ذالک بحدیث أبی بکر و جابر ، لكن نصر الحق فضيلة ، و قمع الباطل وسيلة الى الله تعالى .

”احناف نے سیدنا معاذ کی حدیث پر بہت سے اعتراض وارد کئے ہیں، جن کا ہم ذکر کرنے والے ہیں، اگرچہ ابو بکرہ اور جابر رضی اللہ عنہما کی حدیث کی بنا پر ہم ان اعتراضات کے جوابات سے مستغنی ہیں، لیکن (صرف اس وجہ سے ایک ایک کا جواب دیں گے) کہ حق کی نصرت نیکی ہے اور باطل کا قلع قمع اللہ تعالیٰ کے تقرب کا ذریعہ ہے۔“

(المحلی لابن حزم : ۴/۲۲۹)

## اعتراض نمبر ۱:

مشہور مقلد جناب محمد سرفراز خاں صفدر دیوبندی حیاتی لکھتے ہیں:

”اس روایت کے کئی جواب ہیں تین امام طحاویؒ اور باقی دوسرے لوگوں نے دیے ہیں، جواب نمبر ۱:

امام طحاویؒ لکھتے ہیں: لو ثبت أن معاذًا فعله في عهد رسول الله صلى الله عليه وسلم لم يكن في ذالک دليل على أنه بأمر رسول الله صلى الله عليه وسلم .... الخ  
یعنی یہ کاروائی حضرت معاذؓ کی اپنی رائے سے تھی، نبی علیہ السلام کا حکم نہ تھا۔“ (غزائن السنن : ۲/۲۰۲)

## تبصرہ :

امام طحاوی کا اعتراض یہ ہے کہ اگر یہ ثابت بھی ہو جائے کہ معاذ رضی اللہ عنہ نے یہ کام نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد مبارک میں کیا تھا، تو بھی اس سے یہ ثابت نہیں ہوگا کہ انہوں نے ایسا نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم سے کیا، اس اعتراض کے کئی جوابات ہیں:

☆۱ یہ کہنا کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم کے بغیر سیدنا معاذ نے ایسا کیا، بلا دلیل ہونے کی وجہ سے باطل و مردود ہے، کیونکہ یہ بھی تو ثابت نہیں کہ معاذ رضی اللہ عنہ نے اپنی مرضی سے ایسا کیا اور ان کے پاس کوئی دلیل نہ تھی۔  
☆۲ کسی کام کے جواز کے لئے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا حکم ضروری نہیں، بلکہ آپ کو علم ہو جانے بعد اس پر سکوت اختیار کرنا بھی جواز کی دلیل ہے، جسے اصطلاح میں تقریر کہا جاتا ہے۔

جناب ظفر احمد تھانوی دیوبندی لکھتے ہیں:

وعلى المستدلّ باثبات علم النبي صلى الله عليه وسلم بفعل معاذ .

”اس حدیث سے استدلال کرنے والے پر لازم ہے کہ وہ ثابت کرے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سیدنا معاذ کے

اس کام کو جانتے تھے۔“ (اعلاء السنن : ۱۲۵۹/۲)

جناب! یہ لیں، صحیح مسلم کی روایت میں واضح الفاظ ہیں:

وان معاذاً صلی معک العشاء، ثم أتى فافتح بسورة البقرة .

”(شکایت کرنے والے نے کہا اے اللہ کے نبی!) معاذ نے آپ کے ساتھ عشاء کی نماز ادا کی، پھر ہمارے ہاں آ

کر سورة البقرہ شروع کر دی۔“ (صحیح مسلم: ۴۶۵)

یہ نص صریح ہے کہ نبی کو اس بات کا پتا چل گیا تھا کہ معاذ رضی اللہ عنہ نے یہ طریقہ اختیار کر رکھا ہے، اس کے باوجود

آپ نے ان کو قراءت میں تخفیف کا حکم تو دیا، لیکن اس کام سے منع نہیں فرمایا۔

☆ 3 قبیلہ بنو سلمہ، جس کی مسجد میں معاذ رضی اللہ عنہ جا کر نماز پڑھتے تھے، اس میں تیس بیعت عقبہ میں شامل

ہونے والے صحابہ اور تین تالیس بدری صحابی موجود تھے، جیسا کہ حافظ ابن حزم نے ذکر کیا ہے، ان میں جابر بن عبد اللہ، ان

کے والد عبد اللہ، کعب بن مالک، حباب بن منذر، عقبہ بن عامر اور معاذ و معوذ رضی اللہ عنہم موجود تھے، کیا ان سب کی

موجودگی میں یہ کام ہوا اور خلاف سنت ہونے کے باوجود وہ اس پر اعتراض نہ کریں، بھلا یہ ممکن ہے؟ کبھی نہیں، بلکہ یہ تو

صحابہ کا اجماع ہے کہ معاذ رضی اللہ عنہ کا یہ کام درست تھا، کسی دوسرے صحابی کا اس پر انکار یا اس کا خلاف منقول نہیں۔

حافظ ابن حجر، حافظ ابن حزم سے نقل کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

ولا يحفظ عن غيرهم من الصحابة امتناع ذلك، بل قال معهم الجواز عمر وابن عمر و ابو

الدرداء وأنس وغيرهم .

”ان صحابہ کے خلاف دوسرے کسی صحابی سے اس کا منع ثابت نہیں، بلکہ ان کی موافقت میں عمر، ابن عمر، ابودرداء اور

انس رضی اللہ عنہم وغیرہ سے اس کا جواز ثابت ہے۔“ (فتح الباری: ۱۹۶/۲)

حافظ ابن حجر مزید لکھتے ہیں: انہم لا يختلفون في أن رأى الصحابي إذا لم يخالفه غيره حجة .

”مقلدین اس بات میں ہم سے متفق ہیں کہ کسی صحابی کی رائے اس وقت حجت ہوتی ہے، جب دوسرا کوئی صحابی

اس کی مخالفت نہ کرے اور یہاں بھی ایسا ہی ہے۔“ (فتح الباری: ۱۹۶/۲)

## اعتراض نمبر ۲:

ربا”بذل الجمهود شرح أبي داود“ میں جناب خلیل احمد سہارنپوری دیوبندی کا اس جواب پر یہ اعتراض کہ

صحابہ کرام کا سکوت معتبر نہیں، کیونکہ نبی نے معاذ رضی اللہ عنہ کو اُٹھا اور فرمایا:

لا تكن فتاناً ، اما أن تصلي معي ، وأما أن تخفف علي قومك . (مسند الامام احمد ۷/۵۷۶)

”اے معاذ! لوگوں کو متفرق نہ کر، یا تو میرے ساتھ نماز پڑھ یا قوم کو ہلکی نماز پڑھا۔“ (بجوابہ اعلام السنن: ۱۳۶/۲ - ۱۳۶/۱)

## تبصرہ:

☆۱ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ الفاظ باسند صحیح ثابت نہیں، کیونکہ معاذ بن رفاعہ کی لقائ ”رجل من بنی سلمہ“



سے ثابت نہیں، نہ ہی نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے اس کی ملاقات ہے۔  
حافظ ابن حزم لکھتے ہیں:

ان هذا خبر لا يصح ، لأنه منقطع ، لأن معاذ بن رفاعه لم يدرك النبي صلى الله عليه وسلم ، ولا أدرك هذا الذي شكنا إلى رسول الله صلى الله عليه وسلم بمعاذ .  
”یہ حدیث صحیح نہیں، کیونکہ اس میں انقطاع ہے، معاذ بن رفاعہ نے نہ تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ کو پایا ہے، اور نہ ہی اس شخص کو جس نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو معاذ رضی اللہ عنہ کی شکایت کی تھی۔“ (المحلی لابن حزم: ۲۴۰/۴)  
حافظ مزنی لکھتے ہیں: عن رجل من بني سلمة يقال له سليم قصة معاذ بن جبل في الصلوة مرسل.  
(تہذیب الکمال: ۱۷۷/۸)

حافظ بیہقی بھی یہی کہتے ہیں۔ (مجمع الزوائد: ۷۲/۲)، نیز حافظ ابن حجر بھی رقم طراز ہیں:  
وهذا مرسل لأن معاذ بن رفاعه لم يدركه .

”یہ روایت مرسل ہے، کیونکہ معاذ بن رفاعہ نے اس (رجل من بنی سلمہ) کو نہیں پایا۔“ (فتح الباری: ۱۹۴/۲)  
لہذا اس سے استدلال باطل ہوا۔

☆۲ ان الفاظ کے معانی میں احتمال آگیا ہے، اگرچہ ان الفاظ سے احناف کا مذہب عاہر صورت ثابت نہیں ہوتا، امام طحاوی نے اس سے دونوں میں سے ایک کام کی ممانعت مراد لی ہے، جبکہ حافظ ابن حزم اور حافظ ابن حجر وغیرہ نے اس سے صرف ”تخفيف في القراءة“ مراد لی ہے، لہذا ان محتمل اور غیر ثابت شدہ الفاظ کی وجہ سے محدثین اور ائمہ دین کی تصریح شدہ صریح و صحیح روایات کیسے چھوڑی جاسکتی ہیں؟

### اعتراض نمبر ۳:

جناب محمد سر فرزا خاں صفدر دیوبندی حدیث معاذ کے جواب نمبر ۲ کے تحت لکھتے ہیں:  
”امام طحاویؒ ہی ۱۹۹ ج میں لکھتے ہیں: فقد يجوز أن يكون صلى مع النبي صلى الله عليه وسلم نافلة ثم يأتي قومه فيصلي بهم الفريضة .  
ہو سکتا ہے کہ معاذؓ نے نبی کے ساتھ نفل پڑھتے ہوئے پھر اپنی قوم کے پاس آکر انہیں فرض پڑھاتے ہوں۔“

(خزائن السنن: ۲۰۴/۲)

### تبصرہ:

☆۱ احتمالی الفاظ سے استدلال جائز نہیں، کیونکہ صحیح مسلم کے الفاظ ہیں کہ شکایت کرنے والے نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آکر یوں شکایت کی تھی:

ان معاذاً صلى معك العشاء ، ثم أتى فافتتح بسورة البقرة .....

”بے شک معاذ نے آپ کے ساتھ عشاء کی نماز ادا کی، پھر آ کر سورۃ بقرہ کی قراءت شروع کر دی۔“

(صحیح مسلم: ۴۲۵)

لہذا مسلم کے صریح الفاظ سے ثابت ہو رہا ہے کہ سیدنا معاذ رضی اللہ عنہ فرض نبی کے اقتداء میں ادا کرتے تھے اور اپنی قوم کے ساتھ نفل ادا کرتے تھے۔

☆۲ امام ابن خزیمہ حدیث معاذ پر یوں تبویب فرماتے ہیں:

باب ذکر البیان أن معاذًا كان يصلي مع النبي صلى الله عليه وسلم فريضة لا تطوعا كما ادعى بعض العراقيين .

”اس بات کا بیان کہ معاذ رضی اللہ عنہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ فرض پڑھتے تھے، نہ کہ نفل، جیسا کہ بعض عراقیوں (کوفیوں) نے دعویٰ کیا ہے۔“ (صحیح ابن خزیمہ: ۶۵/۲، باب: ۱۳۱)

☆۳ امام ابن حبان اسی حدیث پر یوں باب قائم فرماتے ہیں:

ذكر الخبر المدحض قول من زعم أن معاذًا كان يصلي بالقوم فرضه لا نفله .

”اس شخص کے قول کا رد کرنے والی روایت جو دعویٰ کرتا ہے کہ معاذ اپنی قوم کے ساتھ نفل نہیں، فرض پڑھتے تھے۔“

(صحیح ابن حبان: ۱۶۳/۶)

☆۴ حافظ بغوی لکھتے ہیں: لأن معاذًا كان يؤدى فرضه مع رسول الله .

”کیونکہ سیدنا معاذ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ اپنے فرض ادا فرماتے تھے۔“ (شرح السنہ: ۷۲/۲)

محدثین اپنی روایات کو مقلدین سے تو بہتر جانتے ہیں۔

☆۵ سنن کبریٰ بیہقی وغیرہ میں سیدنا معاذ کی حدیث میں یہ الفاظ بھی موجود ہیں:

فصلی بهم تلك الصلاة، هي له نافلة ولهم فريضة.

”معاذ رضی اللہ عنہ اپنی قوم کو وہی نماز پڑھاتے، ان کے لئے نفل ہوتی اور قوم کے لئے فرض۔“

(السنن الكبرى للبیهقی: ۸۶/۲، النظم للمصنفی: ۱۷۲/۱، دار قطنی: ۳۷۴/۱، شرح معانی الآثار

للطحاوی: ۴۰۹/۱، وسندہ صحیح)

ابن جریج جو بالاتفاق ثقہ امام ہیں، انہوں نے سماع کی تصریح کر رکھی ہے۔ دوسرے راویوں کی طرف سے ان الفاظ کا عدم ذکر عدم وجود پر دلالت نہیں کرتا، ثقہ کی ”زیادت“ بالاتفاق مقبول ہے، کیونکہ یہ ثقافت کی مخالفت نہیں ہے۔

جناب نیوی حنفی نے آثار السنن میں ان الفاظ کو شاذ قرار دینے کی بڑی سعی کی ہے، حالانکہ وہ خود اسی کتاب میں کئی مقامات پر ثقہ کی ”زیادت“ کو قبول کر چکے ہیں، ایک مقام ملاحظہ ہو:

عبد الله بن الزبير الحميدى ثقة، حافظ، امام، وهو أحد شيوخ البخارى، فزيادته هذه تقبل

جدا، لأنها ليست منافية لرواية من هو أوثق منه .

”عبداللہ بن زبیر حمیدی ثقہ، حافظ اور امام ہیں، نیز امام بخاری کے استاذ ہیں، لہذا ان کی زیادت ضرور قبول کی جائے گی، کیونکہ وہ ان سے اوٹن کی روایت کے مخالف نہیں ہے۔“ (ریکرس آئڈ السنن: ص ۱۷ حاتیہ: ۲۷)

جہاں اپنے مطلب کی بات تھی، وہاں نبوی صاحب نے یہ زیادت فوراً ”تقبل جدّاً“ کہہ کر قبول کر لی، لیکن یہاں چونکہ ان کے خلاف تھی، لہذا ائال منول سے کام لیا ہے۔

☆۶ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے:

صلاة فی مسجدی هذا خیر من ألف صلاة فیما سواہ الا المسجد الحرام .  
 ”میری اس مسجد میں ایک نماز، بیت اللہ کے علاوہ، ہر مسجد میں نماز سے ہزار گنا بہتر ہے۔“

(بخاری: ۱۱۹۰، مسلم: ۱۳۹۴)

اتفاق طور پر اس نماز سے مراد فرضی نماز ہے، کیونکہ نفلی نماز تو بہر حال گھر میں افضل ہوتی ہے۔  
 کیا صحابی رسول مسجد نبوی میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے ایک ہزار نماز کے ثواب کو ترک کر کے اپنی مسجد میں جا کر صرف ایک نماز کا ثواب حاصل کرتے تھے؟ یقیناً نہیں۔  
 حافظ ابن حزم مزید لکھتے ہیں:

فلیست شعری، الی من کان یؤخر معاذ صلاة فرضه حتی یصلیہا معہ راغباً أن یصلیہا مع رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم؟ ألا ان هذا هو الضلال المبین، قد نزه اللہ تعالیٰ معاذاً عنہ عند کل ذی مسکة عقل .

”افسوس ہے! معاذ رضی اللہ عنہ کس کے ساتھ جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے افضل ہو، فرضی نماز پڑھنے کے لئے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ اسے ادا نہ فرماتے تھے؟ یہ واضح گمراہی ہے، ہر ذی عقل کے نزدیک اللہ تعالیٰ نے سیدنا معاذ کو اس سے بچایا ہوا تھا۔“ (المعلی: ۲۲/۴)

☆۷ کیا اختلاف کے نزدیک یہ جائز ہے کہ ایک آدمی جس نے عشاء کی نماز ابھی ادا نہ کی ہو، وہ امام کی فرضی نماز عشاء کے پیچھے نفل کی نیت کر لے؟ جواب ہاں میں ہو ہی نہیں سکتا، بلاشبہ یہ درست نہیں، تو معاذ رضی اللہ عنہ کے ذمے ایسی غلط بات کیوں تھوتے ہیں؟ فافہم و تدبر۔

## اعتراض نمبر ۴:

جناب ظفر احمد تھانوی دیوبندی لکھتے ہیں:

ولو سلم أنها زیادة ثقة فلا شک أنها لیست من کلام رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ولا من کلام معاذ، وهذا ظاهر جدّاً، فیحتمل أن تكون من کلام ابن جریج أو من قول ابن دینار أو من قول جابر، فمن أتى هؤلاء الثلاثة کان فلیس فیہ دلیل علی حقيقة فعل معاذ، لأنهم لم یحکوا ذلك عنہ، انما قالوا قولاً علی عندهم کذلک، وقد یجوز أن یكون فی الحقيقة بخلافه، کذا قاله العینی

نقلًا عن الطحاوی .

”اگر اسے ثقہ کی زیادت تسلیم کر لیا جائے تو بلاشبہ یہ الفاظ نہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ہیں اور نہ ہی معاذ کے، یہ بات بالکل عیاں ہے، لہذا احتمال ہے کہ یہ ابن جریج کی کلام ہو یا ابن دینار یا جابر کا قول ہو، ان تینوں میں سے جس کے بھی یہ الفاظ ہوں، اس میں یہ دلیل نہیں کہ واقعہً معاذ کا یہی فعل تھا، کیونکہ نہ الفاظ انہوں نے معاذ سے نقل نہیں کئے، بلکہ اپنے خیال میں جو بات تھی وہ کہہ دی کہ معاذ ایسا کرتے تھے، ہو سکتا ہے کہ حقیقت اس کے الٹ ہو، یعنی نے امام طحاوی سے یہی بات نقل کی ہے۔“ (اعلاء السنن: ۱۳۵۹/۲ - ۱۳۶۰)

### تبصرہ :

☆۱ احناف نے یہاں تک تو کہہ دیا ہے کہ ہو سکتا ہے یہ الفاظ جابر کے ہوں، لیکن ہم کہتے ہیں کہ احتمال نہیں بلکہ یقیناً یہ الفاظ صحابی رسول سیدنا جابر کے ہی ہیں، ان کو احتمال کی وجہ سے مدرج قرار دینا اور ابن جریج یا ابن دینار کی طرف منسوب کرنا درست نہیں، کیونکہ ادراج کے لئے ٹھوس دلیل ہونا ضروری ہے۔

حافظ ابن حجر لکھتے ہیں: الادراج لا یثبت بمجرد الدعوی والاحتمال .

”ادراج محض دعویٰ یا احتمال سے ثابت نہیں ہو سکتا۔“ (فتح الباری: ۹۶/۲، ۹۷/۲)

☆۲ راوی اپنی روایت کو دوسروں سے بہتر جانتا ہے۔

جناب محمد سر فرزا خاں صفدر حیات دیوبندی لکھتے ہیں:

”راوی حدیث خصوصاً جبکہ صحابی ہو، اپنی مروی حدیث کی مراد کو دوسروں سے بہتر جانتا ہے۔“

(أحسن الكلام از صفدر: ۴۷۸/۱)

اسی طرح جناب عینی حنفی نے بھی یہی بات لکھی ہے (عمدة القاری: ۱۶/۴)

چنانچہ اگر یہ بات تسلیم بھی کر لی جائے کہ یہ الفاظ جابر نے محض اپنے فہم سے کہے، (حالانکہ ایسا نہیں ہے، کیونکہ جابر خود معاذ کے پیچھے نماز پڑھتے تھے) تو کیا ہوا؟ اسی اصول کے تحت مقلدین کے احتمال پر صحابی رسول کی رائے اور فہم کو ترجیح حاصل ہوگی۔ واللہ

جناب ظفر احمد تھانوی دیوبندی لکھتے ہیں: فالموقوف عندنا حجة .

”موقوف روایت (قول صحابی) ہمارے نزدیک حجت ہے۔“ (اعلاء السنن: ۱۱۰/۲)

جب قول صحابی حجت ہے، تو یہاں کیوں نہیں مانتے؟ حالانکہ کسی صریح روایت یا دوسرے صحابی سے متعارض بھی

نہیں۔

**لطیفہ :** جناب انور شاہ کشمیری دیوبندی لکھتے ہیں: والوجدان بحکم بأنه مدرج، لأن فی

اسنادہ ابن جریج ومذہبہ جواز اقتداء المفترض خلف المتفعل .

”میرا وجدان ان الفاظ کے مدرج ہونے کا فیصلہ دیتا ہے، کیونکہ اس روایت کی سند میں ابن جریج ہے اور اس کا مذہب متغفل کے پیچھے مفترض کی نماز کے جواز کا ہے (لہذا اس نے اپنے مذہب کی تائید کے لئے الفاظ بڑھا دیے ہیں)۔“  
(فیض الباری: ۲۶۶/۲ - ۲۲۷)

دیکھیں کہ دیوبندی صاحب کی کتنی جرأت ہے، انہوں نے حدیث میں اپنی تقلید کے خلاف آنے الفاظ کی تاویل کی خاطر بالاتفاق ثقہ راویوں پر بھی جرحی نشتر چلا دیئے کہ انہوں نے حدیث کو اپنے مذہب کے موافق بنانے کی کوشش کی ہے، حالانکہ ذرا سا غور کرنے سے پتا چلتا ہے کہ حدیث کو بدلنے کی کوشش امام ابن جریج نے نہیں کی، بلکہ یہ مقلدین کا ہی حصہ ہے کہ صحیح احادیث کو بھی اپنی عقل اور وجدان کی کسوٹی پر پرکھنا شروع کر دیتے ہیں، بقول اشرف علی تھانوی صاحب جب کوئی آیت یا حدیث ان کے قول مجتہد کے خلاف آئے تو۔۔۔

نیز باقر اکشریری صاحب ابن جریج کا یہی مذہب ہے، تو ہماری بات کو مزید تقویت مل گئی، کیونکہ مقلدین بھی مانتے ہیں کہ راوی حدیث اپنی حدیث کو دوسروں سے بہتر جانتا ہے۔

### اعتراض نمبر ۵:

جناب محمد سر فراز خاں صفدر دیوبندی حیاتی جواب نمبر ۳ کے تحت لکھتے ہیں:

”امام طحاوی ص ۱۹۹ ج ۱ میں لکھتے ہیں: لاحتمال أن يكون ذلك من رسول الله صلى الله عليه وسلم في وقت ما كانت الفريضة تصلى مرتين، فذلك قد كان يفعل في أول الاسلام حتى نهى عنه النبي صلى الله عليه وسلم .

”احتمال ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی جانب سے یہ اجازت اس وقت ہو، جب فرض دوم مرتبہ پڑھائے جاتے تھے، کیونکہ شروع اسلام میں ایسا کیا جاتا تھا، پھر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے منع فرما دیا۔“ (خزانة السنن: ۲/۴۰۶)

### تبصرہ :

۱..... احناف مجبور ہو کر مان گئے ہیں کہ سیدنا معاذ نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے فرض پڑھے تھے، لیکن اب ایک اور بلا دیل دعویٰ کر دیا ہے۔

۲..... صحابہ کرام ایک نماز کو فرض سمجھ کر دوم مرتبہ ادا کرتے تھے، جھوٹا دعویٰ اور بہتان ہے، کیونکہ جو روایت طحاوی (۲۲۱/۱) کے حوالہ سے پیش کی جاتی ہے، وہ سخت ضعیف ہے۔ اس لیے کہ:

۱..... قتادہ کی تدلیس موجود ہے، جناب عینی حنفی لکھتے ہیں: ان قتادة مدلس لا يحتج بعننته ألا اذا ثبت سماعه .

”قتادہ مدلس ہیں، ان کے عنعنہ سے حجت نہیں پکڑی جاسکتی، جب تک سماع کا ثبوت نہ ملے۔“

(عمدة القاری: ۱/۳۶۷)

۲..... خالد بن ابیمن کار رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے سماع و لقاء ثابت نہیں، مدعی صحت پر دلیل لازم ہے، لہذا اس

سے استدلال مردود ہے۔

رہا امام طحاوی کا ابن عمر کی مروی روایت: ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نہی أن تصلّی فريضة فی يوم مرتین (رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک فرض کو ایک ہی دن میں دو دفعہ ادا کرنے سے منع فرمایا۔) (ابو داؤد: ۵۷۹۔ نسائی: ۸۶۱، طحاوی: ۲۴۰، وغیرہ)۔ سندہ حسن۔) سے یہ استدلال کرنا کہ صحابہ کرام پہلے ایسا کرتے تھے، پھر رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے منع فرمایا، کیونکہ فالنہی لا تکن الا بعد الاباحہ۔ (نہی ہمیشہ جواز و اباحت کے بعد ہی ہوتی ہے)، تو اس کا جواب یہ ہے کہ ضروری تو نہیں کہ جس کام سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم منع فرمائیں، وہ پہلے جائز ہو اور صحابہ اسے کرتے ہوں، مثال کے طور پر: عبداللہ بن یزید الانصاری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں:

نہی النبی صلی اللہ علیہ وسلم عن التہی والمثلة.

”نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ڈاکہ ڈالنے اور مثلہ کرنے سے منع فرمایا۔“ (بخاری: ۵۵۱۶)

تو کیا نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی نبی سے پہلے اسلام میں ڈاکہ ڈالنا اور مثلہ کرنا جائز تھا اور صحابہ کرام ایسا کیا کرتے تھے؟ نعوذ باللہ! ڈاکہ اور مثلہ تو کسی دور میں بھی جائز نہیں رہا۔

لہذا جو شخص یہ دعویٰ کرتا ہے کہ شروع اسلام میں صحابہ کرام فرض دومرتبہ پڑھتے تھے، اس پر صحیح و صریح دلیل پیش کرنا لازم ہے

## اعتراض نمبر ۶:

جناب محمد سرفراز خاں صفدر دیوبندی حیاتی جواب نمبر ۴ کے تحت لکھتے ہیں:

”قاضی ابوبکر ابن العربی عارضۃ الاحادی ص ۶۶ ج ۲ میں فرماتے ہیں کہ حضرت معاؤذ بن ابی سفیان کے ساتھ پڑھتے، پھر رات کی نماز کو قیام کو پڑھاتے، یعنی جو نماز آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ پڑھتے وہ اور ہوتی اور جو قوم کو پڑھاتے وہ اور ہوتی۔“ (خرائین السنن: ۲۰۵/۴)

## تبصرہ:

صفدر صاحب کی جانب سے یہ انتہائی فضول اعتراض ہے، کیونکہ صحیح مسلم میں صریح الفاظ ہیں:

كان یصلّی مع رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم العشاء، ثم ینصرف، فیاتی قومہ فیصلّی بہم تلك الصلوة.

”سیدنا معاؤذ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ عشاء کی نماز ادا کرتے، پھر لوٹ کر اپنی قوم کو وہی نماز پڑھاتے۔“

(صحیح مسلم: ۴۶۵)

قاضی ابن العربی المالکی نے اگر تسامحاً یہ بات کہہ بھی دی ہے، تو صفدر صاحب خود اسے خطا سمجھنے کے باوجود کیوں نقل کرتے ہیں؟ کیا صفدر صاحب ”ایمان“ سے کہہ سکتے ہیں کہ ان کے نزدیک یہ توجیہ معتبر ہے؟ اگر جواب نفی میں ہے، تو صاف ظاہر ہے کہ تقلید یا سدید اور احادیث نبوی کے انکار نے ان کو ایسے کام پر اکسایا ہے۔

## اعتراض نمبر ۷:



جناب صفدر مزید لکھتے ہیں:

”بعض فقہاء احناف نے یہ جواب دیا ہے کہ اصل بات یہ ہے کہ عبارت یوں ہے: فصلی لیلة مع النبی صلی اللہ علیہ وسلم العشاء. (مسلم: ۱۸۷/۱) اس میں عشاء سے عشاء اولیٰ یعنی مغرب مراد ہے، جیسا کہ روایت ترمذی میں مغرب کی تصریح ہے اور ان معاذ بن جبل کان یصلی مع رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عشاء الآخرة ثم یرجع الی قومہ فیصلی بہم تلک الصلوة. (مسلم: ۱۸۷/۱) اس میں عشاء سے عشاء مراد ہے، والمراد بتلک الصلوة مثلها فی طول القراءة وغیرھا۔۔۔ الخ (معارف: ۱۴/۵) نہ یہ کہ بعینہا وہی نماز ہے۔“

(خزائن السنن: ۲۰۴/۲ - ۲۰۵ مزید دیکھیں حاشیہ فیض الباری: ۲۳۹/۲)

### تنبہ:

قارئین! ذرا غور فرمائیں کہ تقلید نے مقلدین کو حدیث کے خلاف ایسے ایسے اعتراضات نقل کرنے پر مجبور کر دیا ہے، جو خود ان کے ہاں بھی مقبول نہیں، خود جناب صفدر صاحب پچھلے صفحہ پر بالذکر یہ ثابت کر آئے ہیں کہ حدیث معاذ میں لفظ مغرب صحیح نہیں، معلول ہے، ذرا ان ہی کی زبانی یہ اعتراف ملاحظہ فرمائیں:

”**فائدہ:** لفظ مغرب معلول ہے، المعروف السنذی: ۲۵۵ میں ہے: قال البیهقی فی معرفة السنن والآثار: أن لفظ المغرب معلولة بتصريح العشاء فی سائر الروایات. (باقی روایات میں عشاء کی تصریح آ جانے کی وجہ سے لفظ مغرب معلول ہے) اور مبارکپوری تحفة الاحوزی: ۱/۴۷۱ میں لکھتے ہیں: وفی رواية مسلم (۱۸۷/۱) عشاء الآخرة (صحیح مسلم کی روایت میں عشاء الآخرة کے الفاظ ہیں) (خزائن السنن: ۲۰۴/۲)

لو آپ اپنے دام میں صیاد آگیا!

صفدر صاحب سے سوال ہے کہ یہ ”فائدہ“ آخر ہے کس کیلئے ہے؟ اور صفدر صاحب کو اس ”فائدے“ نے ”فائدہ“ کیوں نہیں دیا؟ اس کو محض تعصب اور اندھی تقلید کا نام نہ دیا جائے، تو اور کیا کہا جائے؟

جب لفظ مغرب ہی معلول ہو گیا تو مذکورہ بالا دعویٰ خود ہی مردود ہو گیا، رہی یہ بات کہ تلک الصلوة سے مراد وہی عشاء کی نماز نہیں، بلکہ مقدار قراءت وغیرہ میں اس کی مثل ہوتی تھی، تو یہ بے بنی کی انتہا ہے اور کج فہمی کی معراج ہے، بھلا یہ کیسے ممکن ہے کہ سیدنا معاذ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے طریقے کے عین مطابق نماز پڑھائیں، جتنی مقدار میں قراءت آپ کرتے تھے، اتنی ہی مقدار آپ قراءت کریں، پھر بھی نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ان کو ڈانٹیں کہ:

أتريد أن تكون فتاناً يا معاذ؟ إذا أمتت الناس فاقراً ﴿وَالشَّمْسُ وَضحاها﴾ و ﴿سَبِّحْ اسْمَ رَبِّكَ الْأَعْلَى﴾ و ﴿اقْرَأْ بِاسْمِ رَبِّكَ﴾ ﴿وَاللَّيْلُ إِذَا يَغْشَى﴾.

”اے معاذ! کیا تو دین سے متفر کرنے والا بننا پسند کرتا ہے؟ جب تو لوگوں کی امامت کرے، تو (سورۃ بقرہ نہیں

بلکہ) سورۃ الشمس، سورۃ الاعلیٰ، سورۃ القلم اور سورۃ الليل پڑھا کر۔“ (صحیح مسلم: ۶۷۵)

کیا خود آپ قراءت لمبی کر کے نماز پڑھاتے تھے اور معاذ کے اسی فعل کو قنیرہ قرار دیتے تھے؟ یا للعجب والغیبہ (الحدیث)۔  
 ویسے بھی صحیح مسلم میں سیدنا معاذ کا عشاء آخرہ پڑھ کر اپنی قوم کو یہی نماز پڑھانا مذکور ہے، لہذا یہ تاویل باطل ہوئی۔  
 حافظ نووی حدیث معاذ رضی اللہ عنہ میں احناف کی تاویلات ذکر کرنے کے بعد لکھتے ہیں:  
 وکل هذه التاویلات دعاوی لا أصل لها فلا یترک ظاہر الحدیث بها .  
 ”یہ تمام تاویلات بے دلیل دعوے ہیں، ان کی بنا پر حدیث کے ظاہری مفہوم کو چھوڑ نہیں جاسکتا۔“

(شرح مسلم از نووی : ۱۸۷/۱)

بفضل اللہ ہم نے حدیث معاذ پر آج تک وارد ہونے والے تمام اعتراضات و تاویلات کے جوابات دے دیے ہیں، اگر اب بھی کسی شخص کے ذہن میں کوئی اشکال یا تاویل ہو تو وہ اسے اپنے تئیں محدود نہ رکھے، بلکہ ہمیں ضرور مطلع کرے تاکہ اس کا بھی منصفانہ تجزیہ کیا جاسکے۔

اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ ہمیں احادیث صحیحہ کے بے نکتے جوابات دینے اور فضول تاویلات سوچتے رہنے کی بجائے ان پر عمل کی توفیق عطا فرمائے اور ہماری زندگی دفاع حدیث کے لیے خاص کر دے اور اس عمل کو ہماری نجات کا ذریعہ بنا دے۔

(آمین!)



حافظ ابو یحییٰ نور پوری

### اجماع معصوم دلیل ہے :

حافظ ابن الجوزی مشہور حنفی علی بن محمد الدامغانی کے بارے میں لکھتے ہیں:

”اس نے امام ابو یوسف، ابو یوسف اور محمد بن حسن شیبانی کے علاوہ کسی کی رائے کو فیصلہ کن ماننے سے انکار کر دیا ہے اور اپنی مجلس میں با آواز بلند یہ اعلان کر دیا ہے کہ اب دنیا میں کوئی مجتہد باقی نہیں رہا، اسے معلوم نہیں کہ اس کی اس بات میں کیا خرابی مضمر ہے، یعنی اجماع جو کہ شریعت کی ٹھوس ترین دلیل ہے، وہ اس سے انکاری ہو گیا ہے، حالانکہ ہمارے پاس اجماع کے سوا کوئی معصوم دلیل موجود نہیں، اللہ تعالیٰ نے اسے امت محمدیہ میں نبوت کا بدل قرار دیا ہے، کیونکہ ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم خاتم النبیین تھے، آپ کے بعد تو کوئی نبی آنے سے رہا، لہذا اللہ نے اس امت کے اجماع کو اس کا قائم مقام کر دیا ہے۔“ (المنتظم لابن الجوزی : ۳۱/۹، ۵۱۳ھ)

غلام مصطفیٰ ظہیر امن پوری

## تبرکات کی شرعی حیثیت:

یہ نہایت اہم مسئلہ ہے، کیونکہ بسا اوقات اس کی وجہ سے توحید کے منافی اقوال و افعال سرزد ہو جاتے ہیں، اولیاء و صلحاء کی عبادت کا بنیادی سبب ان کی ذات، آثار اور قبور کو تبرک سمجھنا تھا، شروع میں انہوں نے ان کے جسموں کو تبرک کی نیت سے چھوا، پھر ان کو پکارنے لگے، ان سے مدد مانگنے لگے، پھر ان اولیاء سے کام آگے بڑھا تو مختلف جگہیں، جمادات اور اوقات کو تبرک سمجھنے جانے لگے۔

در اصل تبرک کا معنی یہ ہے کہ اجر و ثواب اور دین و دنیا میں اضافے کے لیے کسی مبارک ذات یا وقت سے برکت حاصل کرنا۔

محققین علماء کے نزدیک تبرک کی دو قسمیں ہیں:

۱..... مشروع تبرک: جسے اللہ و رسول کے جائز قرار دیا ہو۔

۲..... ممنوع تبرک: جو جائز تبرک میں شامل نہ ہو یا شارع نے اس سے منع فرما دیا ہو۔

## ممنوع تبرک:

ممنوع تبرک شرک میں داخل ہے، اس کی دلیل یہ ہے:

سیدنا ابو اقد اللہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ہم رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ حنین کی طرف نکلے، اس وقت ہم نئے نئے مسلمان ہوئے تھے، ایک بیری تھی، جس کے پاس مشرکین بھرتے اور (تبرک کی غرض سے) اپنا اسلحہ اس کے ساتھ لٹکاتے، اسے ذات انواط کہا جاتا تھا، ہم نے عرض کی، اے اللہ کے رسول! جس طرح مشرکین کا ذات انواط ہے، ہمارے لیے بھی کوئی ذات انواط مقرر کر دیجیے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

اللہ اکبر، انہا السنن، قلتم، والذی نفسی بیدہ، کما قالت بنو اسرائیل لموسیٰ: ﴿اجْعَلْ

لَنَا إِلَهًا كَمَا لَهُمُ الْإِلَهَةُ﴾ (الاعراف: ۱۳۸) لتر کین سنن من کان قبلکم .

”اللہ اکبر! اللہ کی قسم، یہ پرانا طریقہ ہے، تم نے اسی طرح کہا ہے، جس طرح بنی اسرائیل نے موسیٰ علیہ السلام سے کہا تھا: ﴿اجْعَلْ لَنَا إِلَهًا كَمَا لَهُمُ الْإِلَهَةُ﴾ (الاعراف: ۱۳۸) (ہمارے لیے بھی کوئی معبود بنا دیجیے، جس طرح ان (کافروں) کے معبود ہیں) ضرور تم اپنے سے پہلے لوگوں کے نقش قدم پر چلو گے۔“

(مسند الامام احمد: ۲/۵۰۷، جامع الترمذی: ۲۸۰، مسند الحمیدی: ۸۴۸، المعجم الکبیر للطبرانی: ۲۷۶/۲، صحیح)

امام ترمذی نے اس حدیث کو ”حسن صحیح“ اور امام ابن حبان (۶۷۰۲) نے ”صحیح“ کہا ہے۔

## مشروع تبرک:

آئیے اب مشروع تبرک کے بارے میں جانتے ہیں:

عیسیٰ بن طہمان کہتے ہیں:

اخرج الینسا انس رضی اللہ عنہ نعلین جرداوین ، لہما قبلان ، فحدثنی ثابت البنانی بعد عن انس انہما نعلان النبی صلی اللہ علیہ وسلم .

”سیدنا انس رضی اللہ عنہ ہمارے پاس بغیر بالوں کے چڑے کے دو جو تے لائے ، ان کے دو تے تھے ، اس کے بعد مجھے ثابت بنانی نے سیدنا انس کے واسطے سے بتایا کہ یہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے جو تے تھے۔“

(صحیح بخاری : ۴۲۸۸ : ج ۷ : ۳۱۰)

ایک دفعہ سیدہ اسماء بنت ابی بکر رضی اللہ عنہا نے ایک سبز جبہ نکالا اور فرمایا:

ہذہ کانت عند عائشۃ حتی قبضت ، فلما قبضت قبضتها ، وکان النبی صلی اللہ علیہ وسلم یلبسہا ، فحن نغسلہا للمرضی ۱ یستشفی ۲ بہا .

”یہ سیدہ عائشہ کے پاس تھا ، آپ فوت ہوئیں تو میں نے اپنے پاس رکھ لیا ، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اسے زیب تن فرمایا کرتے تھے ، ہم اسے بیماروں کے لیے شفا کی امید سے پانی میں ڈالتے ہیں۔“ (صحیح مسلم : ۱۹۰/۲ : ج ۲ : ۲۰۶۹)

سیدنا بھل بن سعد رضی اللہ عنہ نے ایک پیالہ اپنے پاس رکھا ہوا تھا ، جس میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے صحابہ نے پانی پیا تھا ، ابو حازم کہتے ہیں کہ بھل نے اسے نکالا اور ہم نے اس میں پانی پیا ، اس کے بعد امام عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ نے ان سے مانگا ، انہوں نے ان کو تحفہ میں دے دیا۔ (صحیح بخاری : ۸۸۲/۲ : ج ۲ : ۵۶۳۷)

عبیدہ رحمہ اللہ کہتے ہیں ، ہمارے پاس نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے بال مبارک تھے ، جنہیں ہم نے سیدنا انس یا ان کے گھروالوں سے لیا تھا ، کہتے ہیں ، اگر میرے پاس آپ کا ایک بال ہو تو مجھے دنیا و ما فیہا سے زیادہ پیارا ہے۔

(صحیح بخاری : ۳۹/۱ : ج ۱۷۰)

یاد رہے کہ یہ تبرک نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ خاص تھا ، اب کسی اور کو قیاس نہیں کیا جاسکتا۔

حافظ شاطبی فرماتے ہیں:

ان الصحابة بعد موتہ لم یقع من أحد منهم شیء من ذلک بالنسبة الی من خلفہ ، اذ لم یتبرک النبی صلی اللہ علیہ وسلم بعده فی الأمة أفضل من أبی بکر الصدیق رضی اللہ عنہ ، فہو کان خلیفہ ، ولم یفعل بہ شیء من ذلک ، ولا عمر رضی اللہ عنہ ، وهو کان أفضل الأمة بعده ، ثم کذلک عثمان ، ثم علی ، ثم سائر الصحابة الذین لا أحد أفضل منهم فی الأمة ، ثم لم ینبت لو أحد منهم من طریق صحیح معروف أنَّ متبرکاً تبرک بہ علی أحد تلک الوجوہ أو نحوہا ، بل اقتصروا فیہم علی الاقتداء بالأفعال والأقوال والسير التي اتبعوا فیہا النبی صلی اللہ علیہ وسلم ، فہو اذا اجماع منهم علی ترک تلک الأشياء .

”صحابہ کرام نے آپ کی وفات کے بعد آپ کے علاوہ کسی کے لیے یہ (تبرک) مقرر نہ کیا ، کیونکہ آپ کے بعد

امت میں سب سے افضل سیدنا ابوبکر صدیق تھے، آپ کے بعد خلیفہ بھی تھے، ان کے ساتھ اس طرح کا کوئی معاملہ نہیں کیا گیا، نہ سیدنا عمر نے ہی ایسا کیا، وہ سیدنا ابوبکر کے بعد امت میں سب سے افضل تھے، پھر اسی طرح سیدنا عثمان و علی رضی اللہ عنہما اور دوسرے صحابہ کرام تھے، کسی سے بھی باسند صحیح ثابت نہیں کہ کسی نے ان کے بارے میں اس طرح سے کوئی تبرک والا سلسلہ جاری کیا ہو، بلکہ ان (صحابہ) کے بارے میں انہوں (دیگر صحابہ و تابعین) نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے اتباع پر مبنی اقوال و افعال اور طریقہ کار پر اکتفا کیا ہے، لہذا یہ ان کی طرف سے ترک تبرکات پر اجماع ہے۔“

(الاعتصام: ۸/۹-۹)

سیدنا ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

لا تشد الرجل الا الى ثلاثة مساجد ، المسجد الحرام ، ومسجدی هذا ، والمسجد الأقصى۔

”(تبرک کی نیت سے) سامان صرف ان تین مسجدوں کی طرف باندھا جائے گا، مسجد حرام، میری مسجد (مسجد نبوی) اور مسجد اقصیٰ۔“ (صحیح بخاری: ۱۵۹۸/۱: ۱۱۸۹-صحيح مسلم: ۳۶۷۸/۱: ۱۳۹۷)

حافظ ابن تیمیہ فرماتے ہیں کہ اگر کوئی ان تین مسجدوں کے علاوہ کسی اور جگہ کی طرف سامان باندھ کر جانے کی نذر مان لے تو اس پر نذر کا پورا کرنا ضروری نہ ہوگا، اس بات پر ائمہ دین کا اتفاق ہے۔ (مجموع الفتاویٰ: ۲۷/۸۶ مختصراً)

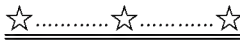
حصول برکت کی خاطر انبیاء و صلحاء کی قبروں کی زیارت کے لیے سفر بدعت ہے، صحابہ کرام و تابعین عظام نے ایسا نہیں کیا، نہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کا حکم دیا۔

امام ابراہیم نخعی تابعی فرماتے ہیں:

لا تشد الرجال الا الى ثلاثة مساجد ؛ المسجد الحرام ، مسجد الرسول ، وبيت المقدس .

”(برکت حاصل کرنے کی نیت سے) رخت سفر صرف تین مسجدوں کی طرف باندھا جائے گا، مسجد حرام، مسجد

نبوی اور بیت المقدس۔“ (مصنف ابن ابی شیبہ: ۶۵/۴، وسندہ صحيح)



البوسعید

معوذتین

سیدنا عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں:

أمرني رسول الله صلى الله عليه وسلم أن أقرأ بالمعوذات دبر كل صلاة .

”رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے ہر نماز کے بعد سورۃ الفلق اور سورۃ الناس پڑھنے کا حکم دیا۔“

(عمل اليوم والليله لابن السنی: ۱۲۳، وسندہ صحيح واخرجه احمد ۱۵۵/۴، وسندہ صحيح)

صحيح واخرجه ابو داود (۱۵۴۲) والنسائي (۱۳۳۷) ابواميد (۲۰۷/۴) وسندہ حسن، صحيحه ابن خزيمة (۷۵۵) ابواب

حيان (۳۴۷-۳۴۸) المواد بوقال الذهبي : هذا حسن غريبه (ميزان الاعتدال: ۴۳/۴)

غلام مصطفیٰ ظہیر امین پوری

## قارئین کے سوالات

### روزوں کی قضائی

سوال: کیا رمضان میں کسی عذر کی بنا پر چھوڑے گئے روزوں کی قضائی رمضان کے فوراً بعد دینا ضروری ہے؟

جواب: رمضان کے چھوڑے گئے روزوں کی قضائی پے درپے مستحب تو ہے، ضروری نہیں، کیونکہ:

۱..... فرمان باری تعالیٰ ہے: ﴿فَعِدَّةٌ مِّنْ أَيَّامٍ أُخَرَ﴾ (البقرة: ۱۸۵) ”دوسرے دنوں کی گنتی ہے۔“

۲..... سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا بیان فرماتی ہیں: كان يكسون على الصوم من رمضان فما أستطيع أن أقضيه إلا في شعبان. ”مجھ پر رمضان کے روزوں کی قضائی ہوتی، میں انہیں شعبان سے پہلے نہ کھ سکتی تھی۔“

(صحیح بخاری: ۱۹۵۰، صحیح مسلم: ۱۱۴۶)

حافظ ابن حجر لکھتے ہیں: ”اس حدیث سے ثابت ہوتا ہے کہ رمضان کی قضاء کو مطلق طور پر مؤخر کرنا جائز ہے، خواہ

عذر کی وجہ سے یا بغیر عذر کے۔“ (فتح الباری: ۱۹۷/۴)

۳..... سیدنا عبداللہ بن عباس فرماتے ہیں: لا يضرك كيف قضيتها، إنما هي عِدَّةٌ من أيام آخر

”تجھے کوئی نقصان نہیں، جیسے جی چاہے قضائی دے، صرف دوسرے دنوں کی گنتی (پوری کرنا ضروری) ہے۔“

(تفلیس التعلیق لابن حجر: ۱۸۶/۳، وسندہ صحیح)

۴..... امام عطاء بن ابی رباح رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ اور سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما، دونوں نے

فرمایا: فرقه إذا أحصيته - ”جب تو گنتی رکھے، تو وقفے میں کوئی حرج نہیں۔“ (سنن دارقطنی: ۱۹۲/۴، وسندہ حسن)

۵..... سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: يواتر إن شاء

”چاہے، تو پے درپے رکھ لے۔“ (مصنف ابن ابی نبیہ: ۳۴/۲، وسندہ صحیح)

۶..... بکر بن عبداللہ سیدنا انس بن مالک رضی اللہ عنہ کے بارے میں بیان کرتے ہیں:

أنه كان لا يرى به بأساً، ويقول: إنما قال الله ﴿فَعِدَّةٌ مِّنْ أَيَّامٍ أُخَرَ﴾

”آپ رضی اللہ عنہ وقفے یا تاخیر میں کوئی حرج نہیں سمجھتے تھے، اور فرماتے تھے، کہ اللہ تعالیٰ نے صرف دوسرے

دنوں کی گنتی کا ذکر فرمایا ہے۔“ (السنن الکبریٰ للبیہقی: ۳۵۸/۴، وسندہ صحیح)

۷..... ابو عامر الہوزنی کہتے ہیں:

سمعت أبا عبيدة بن الجراح رضي الله عنه سئل عن قضاء رمضان فقال: إن الله لم يرخص

لكم في فطره وهو يريد أن يشق عليكم في قضائه، فأحص العدة واصنع ما شئت.

”میں نے سیدنا ابو عبیدہ بن جراح رضی اللہ عنہ کو سنا، آپ سے رمضان کی قضاء کے بارے پوچھا گیا، آپ نے

فرمایا: اللہ تعالیٰ نے روزہ چھوڑنے کی رخصت اس لیے نہیں دی کہ قضاء میں تم پر مشقت ڈال دے، آپ گنتی شمار کریں اور



جوچاہیں کریں۔“ (السنن الکبریٰ للبیہقی: ۳۵۸/۴، سنن دار قطنی: ۱۹۱/۲، وسندہ حسن)

۸..... سیدنا معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ نے فرمایا: فرق قضاء رمضان، وأحص العدة.

”رمضان کی قضاء کو وقفے سے پورا کرلو، لیکن گنتی شمار کرو۔“ (سنن دار قطنی: ۱۹۲/۲، وسندہ حسن)

۹..... امام حکم بن عتیبہ رحمہ اللہ وقفے سے قضاء رمضان میں کوئی حرج خیال نہیں کرتے تھے۔

(ابن ابی شیبہ: ۳۲/۲، وسندہ صحیح)

۱۰..... جعفر بن میمون کہتے ہیں:

قضاء رمضان عدۃ من أيام آخر. ”قضاء رمضان میں صرف دوسرے دنوں کی گنتی (پوری کرنا) ضروری

ہے۔“ (ابن ابی شیبہ: ۳۲/۲، وسندہ صحیح)

### فوری قضائی کے قائلین کے دلائل

سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما قضائے رمضان کے بارے میں فرماتے ہیں:

یتابع بینه. ”اس میں پے درپے روزہ رکھا جائے گا۔“ (مصنف ابن ابی شیبہ: ۳۴/۳، وسندہ صحیح)

عروہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں: یواتر قضاء رمضان. ”رمضان کے روزوں کی قضاء لگا تار دے گا۔“

(مصنف ابن ابی شیبہ: ۳۴/۳، وسندہ صحیح)

سعید بن مسیب فرماتے ہیں: یقضیہ کھیأتہ.

”جس طرح چھوڑے تھے، اسی طرح قضائی دے گا۔“ (مصنف ابن ابی شیبہ: ۳۴/۳، وسندہ صحیح)

محمد بن سیرین کہتے ہیں: أحب إلی أن یصومہ کما أفطرہ.

”مجھے محبوب یہی ہے کہ جس طرح روزے چھوڑے تھے، اسی طرح قضائی دے۔“ (ابن ابی شیبہ: ۳۴/۳، وسندہ صحیح)

حکم بن عتیبہ کہتے ہیں: ”لگا تار قضائی دینا مجھے پسند ہے۔“ (ابن ابی شیبہ: ۳۴/۳، وسندہ صحیح)

قاسم بن محمد کہتے ہیں: صمہ متتابعاً، إلا أن یقطع بک کما قطع بک فیہ.

”لگا تار روزے رکھ، الا یہ کہ (قضائی میں بھی) وہی عارضہ پیش آجائے، جو پہلے پیش آیا تھا۔“

(ابن ابی شیبہ: ۳۴/۳، وسندہ صحیح)

ان سب اقوال کو استحباب پر محمول کیا جائے گا، جیسا کہ امام عطاء بن ابی رباح فرماتے ہیں:

یقضیہ متتابعاً أحب إلی وإن فرق أجزأه.

”رمضان کی قضائی لگا تار ہو، تو مجھے محبوب ہے، اگر وقفہ آجائے، تو کفایت کر جائے گی۔“

(مصنف ابن ابی شیبہ: ۳۵/۳، وسندہ صحیح)

روزوں کی قضائی پے درپے مستحب ہے، ضروری نہیں، جو لوگ لگا تار قضائی کو ضروری قرار دیتے ہیں، ان کے پاس

نہ تو کوئی دلیل ہے، نہ سلف صالحین میں سے ان کا کوئی حامی ہے۔

## فقہ و تحقیق

غلام مصطفیٰ ظہیر امن پوری

## کیا قہقہہ لگانے سے وضو ٹوٹ جاتا ہے؟

اگر کوئی نماز میں ہنس پڑے تو نماز ہی ٹوٹے گی، وضو نہیں ٹوٹے گا، کیونکہ:

**دلیل نمبر ۱:** حافظ ابن المنذر (م: ۳۱۸ھ) لکھتے ہیں:

أجمع أهل العلم على أن الضحك في غير الصلاة لا ينقض الطهارة ولا يوجب وضوءاً وأجمعوا على أن الضحك في الصلاة ينقض الصلاة.

”اس بات پر اہل علم کا اجماع و اتفاق ہے کہ نماز کے علاوہ ہنسنا وضو کو نہیں توڑتا، نہ ہی وضو کو واجب کرتا ہے، اس بات پر بھی اجماع ہے کہ نماز میں ہنسنا نماز کو توڑ دیتا ہے۔“ (الاصول لابن المنذر: ۳۲۷/۱)

**دلیل نمبر ۲:** عن عطاء عن جابر قال: كان لا يرى على الذي يضحك في الصلاة وضوءاً.

”عطاء بن ابی رباح بیان کرتے ہیں کہ (صحابی رسول) سیدنا جابر (بن عبد اللہ الانصاری) رضی اللہ عنہ نماز میں ہنسنے والے پر وضو خیال نہیں کرتے تھے۔“ (سنن البیہقی: ۷۷۱/۱، ج: ۶۵۰، وسندہ حسن)

**دلیل نمبر ۳:**

”ہشام کہتے ہیں کہ میرے بھائی نماز میں ہنس پڑے، ان کو عروہ نے نماز دہرانے کا کہا، وضو کرنے کا نہیں کہا۔“

(مصنف ابن ابی شیبہ: ۳۸۷/۱، وسندہ صحیح)

**دلیل نمبر ۴:** عن عطاء في الرجل يضحك في الصلاة، قال: ان تبسم فلا ينصرف، وان قهقهه استقبل الصلاة، وليس عليه وضوء.

”امام عطاء بن ابی رباح نے ایسے شخص کے بارے میں فرمایا، جو نماز میں ہنس پڑے، اگر اس نے تبسم ظاہر کیا، تو نماز نہیں توڑے گا، لیکن اگر قہقہہ لگا کر ہنسنا تو نماز دہرانے کا، البتہ اس پر وضو نہیں ہے۔“

(مصنف ابن ابی شیبہ: ۳۸۷/۱، وسندہ صحیح)

**دلیل نمبر ۵:** عبد الرحمن بن قاسم کہتے ہیں: ضحكت وأنا أصلي مع أبي، فأمرني أن أعيد الصلاة

”میں اپنے والد صاحب کے ساتھ نماز پڑھ رہا تھا کہ ہنس پڑا، انہوں نے مجھے نماز دہرانے کا حکم دیا۔“

(مصنف ابن ابی شیبہ: ۳۸۷/۱، وسندہ صحیح)

**دلیل نمبر ۶:** محمد بن سيرين تابعي كسبته: كانوا يأمرونا ونحن صبيان، اذا ضحكنا في الصلاة أن

نعيد الصلاة. ”بچپن میں جب ہم نماز میں ہنس پڑتے تو (علماء) ہمیں نماز دہرانے کا حکم دیتے تھے۔“

(مصنف ابن ابی شیبہ: ۳۸۸/۱، وسندہ صحیح)

امام احمد بن حنبل (مسائل احمد لابن هادي: ۷/۱)، امام شافعی (الام للشافعي: ۲۷/۱)، امام اسحاق بن راہویہ

(مسائل احمد واسحاق: ۲۰/۸) کا بھی یہی فتویٰ ہے۔

امام ابو بکر ابن ابی شیبہ فرماتے ہیں: یعید الصلاة ولا یعید الوضوء.

”نماز میں ہنسنے والا نماز تو دہرائے گا، لیکن وضو نہیں دہرائے گا۔“ (مصنف ابن ابی شیبہ: ۲۸۸/۱)

تقلید پرست جہم بورامت اور سیدنا جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ کی مخالفت میں کہتے ہیں کہ اگر کوئی نماز میں ہنس پڑے تو اس کا وضو ٹوٹ جاتا ہے، وہ اس کو وضو لوٹانے کا حکم دیتے ہیں، حالانکہ ان کے پاس اس بارے میں کوئی صحیح دلیل نہیں ہے۔

ہم انتہائی اختصار کے ساتھ ان کے دلائل کا محدثین کرام کے اصولوں کے مطابق جائزہ پیش کرتے ہیں:

**دلیل نمبر ۱:** سیدنا ابو موسیٰ اشعری نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لوگوں کو نماز پڑھا رہے تھے کہ ایک شخص آیا اور مسجد میں واقع ایک گڑھے میں گر گیا، اس کی بصارت میں نقص تھا، بہت سارے لوگ نماز میں ہنس پڑے، رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، جو شخص ہنسا ہے، وہ وضو بھی دوبارہ کرے گا اور نماز دہرائے گا۔

(المعجم الكبير للطبرانی: ۴۶۷/۸، نصب الرایۃ: ۴۷/۸)

**تبصرہ:** اس کی سند ”ضعیف“ ہے، اس میں ہشام بن حسان ”مدلس“ ہیں، جو ”عن“ سے روایت کر رہے ہیں، فقہ مدلس کی صحیح بخاری و مسلم کے علاوہ ”عن“ والی روایت ”ضعیف“ ہوتی ہے۔

**دلیل نمبر ۲:** ابوالعالیہ الریاجی نے کہا کہ ایک اندھا کنویں میں گر گیا، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم صحابہ کرام کو نماز پڑھا رہے تھے، آپ کے ساتھ نماز پڑھنے والے کچھ لوگ ہنس پڑے، تو آپ نے فرمایا، جو ہنسا ہے، وہ وضو بھی دوبارہ کرے اور نماز بھی دہرائے۔“ (مصنف عبد الرزاق: ۳۶۷/۲، ج: ۲۷۶-۲۷۷)

**تبصرہ:** اس کی سند ”مدلس“ اور ”انقطاع“ کی وجہ سے ”ضعیف“ ہے۔ امام ابن المیزان فرماتے ہیں:

حدیث ابی العالیہ مرسل، والمرسل لا تقوم به الحجة.

”ابوالعالیہ کی حدیث مرسل ہے اور مرسل حدیث سے حجت قائم نہیں ہو سکتی۔“ (الاوسط: ۲۸۸/۷)

یاد رہے کہ دین متصل صحیح روایات کا نام ہے۔

**دلیل نمبر ۳:** حسن بصری نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نماز پڑھا رہے تھے کہ ایک نابینا آدمی قبلہ کی جانب سے نماز کے ارادہ سے آیا، لوگ فجر کی نماز میں مشغول تھے، یہ نابینا ایک گڑھے میں گر گیا، کچھ لوگ ہنس پڑے، حتیٰ کہ انہوں نے قہقہہ لگا دیا، جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نماز سے فارغ ہوئے تو فرمایا، جس نے قہقہہ لگایا ہے، وہ وضو اور نماز دونوں کو دہرائے۔“ (کتاب التذکرۃ رواية محمد: ۲۳)

**تبصرہ:** یہ موضوع (من گھڑت) حدیث ہے، کیونکہ:

۱..... یہ مرسل ہے اور مرسل روایت ”ضعیف“ ہوتی ہے۔

۲..... راوی کتاب محمد بن حسن الشیبانی ”کذاب“ ہے۔

۳..... اس میں محمد بن حسن الشیبانی کا استاذ بالاتفاق ”ضعیف و متروک“ ہے، کسی ”ثقة“ امام سے اس کا ”ثقة“ ہونا باسند ”صحیح“ ثابت نہیں۔

**دلیل نمبر ۴:** معبد سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نماز پڑھانے میں مشغول تھے کہ ایک نابینا آدمی نماز کے ارادے سے آیا اور ایک گڑھے میں گر گیا، کچھ لوگ ہنس پڑے، حتیٰ کہ انہوں نے قہقہہ لگا دیا، جب آپ نماز سے فارغ ہوئے تو فرمایا، جس نے قہقہہ لگایا ہے، وہ وضو اور نماز دونوں کو دہرائے۔ (سنن الدارقطنی: ۱۶۶۸ ج: ۱، ۶۱۲)

**تبصرہ:** یہ روایت سخت ترین ”ضعیف“ ہے، کیونکہ:

۱..... اس میں ”ارسال“ ہے، معبد الجنبی تابعی ہیں، خود امام دارقطنی نے اس کو ”مرسل“ کہا ہے، جناب زلیحی حنفی نے بھی اس کو ”مرسل“ قرار دیا ہے۔ (نصب الرایۃ: ۵۷۸)

۲..... اس میں امام حسن بصری کی تدلیس ہے۔

۳..... اس کی سند کا دارودمدار نعمان بن ثابت پر ہے، جو بالاجماع ”مخرج“ ہیں۔

**دلیل نمبر ۵:** سیدنا ابن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، جس نے نماز میں قہقہہ لگایا، وہ وضو اور نماز دہرائے۔ (المکمل لابن عری: ۱۶۷/۲)

**تبصرہ:** یہ روایت بھی ”ضعیف“ ہے، کیونکہ اس میں ”انقطاع“ ہے، امام عطاء بن ابی رباح کا سیدنا ابن عمر سے سماع ثابت نہیں ہے۔

امام احمد بن حنبل فرماتے ہیں: قد رأی ابن عمر ولم یسمع منه۔  
 ”یقیناً انہوں نے سیدنا ابن عمر کو دیکھا ہے، لیکن ان سے سماع نہیں کیا۔“ (المراسل لابن ابی حاتم: ۱۵۴)

یہی بات امام علی بن مدینیؒ اور امام ابو عبد اللہؒ نے بھی فرمائی ہے۔ (تہذیب التہذیب: ۱۸۲/۷)

نیز اس میں بقیہ بن ولید راوی اگرچہ جمہور کے نزدیک ”ثقة“ ہیں (درمکین: الترغیب والترہیب للمبندری: ۵۶۷/۴) الکفاف للذهبی: ۱۰۶۸-۱۰۷) لیکن ”تدلیس تسویہ“ کے مرتکب تھے، لہذا سند مسلسل بالسماع ہونی چاہیے۔

حافظ ابن حجر ایک دوسری روایت کے بارے میں لکھتے ہیں:

بقیۃ صدوق، لکنہ یدلس ویسوی، قد عنعنہ عن شیخہ وشیخ شیخہ۔  
 ”بقیہ صدوق راوی ہے، لیکن تدلیس تسویہ کرتا تھا، اس نے اپنے استاذ اور استاذ کے استاذ سے بصیغہ عن روایت کی ہے۔“ (مواظقة الخبر الضبر لابن حجر: ۲۷۸/۱)

حافظ ابن ملتقن لکھتے ہیں: لکن بقیۃ رمی بتدلیس التسویۃ، فلا ینفعہ تصریحہ بالتحدیث  
 ”بقیہ پر تدلیس تسویہ کا الزام ہے، لہذا صرف اپنے شیخ سے سماع کی تصریح چند اہل مفید نہیں۔“

(البدیع المنیر: ۵۹/۴)

اس روایت کے ”ضعیف“ ہونے کی ایک اور وجہ بھی ہے، امام ابن عدیؒ اسے ذکر کرنے کے بعد فرماتے ہیں:

ومحمد الخزاعی هذا هو من مجهولی مشایخ بقیة ، ويقال عن بقیة فی هذه الحديث عن

محمد بن راشد عن الحسن ، ومحمد بن راشد أيضا عن الحسن مجهول .

”اس روایت میں موجود محمد الخزاعی ، بقیہ کے مجهول اساتذہ میں سے ہے، اس سند میں محمد بن راشد عن الحسن بھی

بیان کیا جاتا ہے اور حسن بصری سے بیان کرنے والا محمد بن راشد بھی مجهول ہے۔“ (الکامل: ۱۶۷/۳-۱۶۷)

حافظ ابن حجر (لسان المیزان: ۱۶۳/۵) اور حافظ ذہبی (میزان الاعتدال: ۵۴۴/۳، المغنی: ۲۹۷/۴) نے اسی کو اختیار کیا ہے۔

جناب ابن ترکمانی حنفی لکھتے ہیں: ابن راشد هذا وثقه ابن حنبل وابن معين.... (المصدر النقی: ۱۴۷/۱)

ہم کہتے ہیں کہ جناب ابن ترکمانی حنفی صاحب شدید وہم و اختلاط کا شکار ہو گئے ہیں، محمد الخزاعی ”مجهول“ کو محمد بن

راشد الکھولی سمجھ بیٹھے ہیں، ایک ”ثقہ“ راوی کی ”توثیق“ ایک ”مجهول“ پر قہوپ دی ہے، ابن ترکمانی کی تقلید ناسد میں

جناب ظفر احمد تھانوی دیوبندی کا اسے محمد بن راشد الکھولی کہہ کر اس روایت کو ”حسن“ قرار دینا بھی بر جہالت ہے، کیونکہ محمد

بن راشد الکھولی کے اساتذہ میں کسی محدث نے بھی حسن بصری کو ذکر نہیں کیا، نہ ہی حسن بصری کے شاگردوں میں ان کا نام

موجود ہے، اس لیے حافظ ذہبی نے لکھا ہے:

محمد بن راشد عن الحسن نكرة . ”حسن بصری سے بیان کرنے والا محمد بن راشد مجهول ہے۔“

(المغنی: ۲۹۷/۴-میزان الاعتدال: ۵۴۴/۳)

ثابت ہوا کہ اس روایت میں محمد الخزاعی سے مراد محمد بن راشد الکھولی نہیں، بلکہ اور کوئی ہے، جس کے حالات نہیں مل

سکے۔ ہماری بات کی تصدیق کے لیے صرف محمد بن راشد الکھولی کا حسن بصری سے سماع نہ ملنا ہی کافی تھا، محدثین کی تصریح

مزید سونے پر سہاگہ ہے۔

**دلیل نمبر ۶:** عمران بن حصین رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

اذا قهقهه أعاد الوضوء والصلاة . ”جب کوئی (نماز میں) قہقہہ لگائے، وہ وضو اور نماز کا اعادہ کرے۔“

(الکامل لابن عری: ۱۶۷/۳)

**تبصرہ:** یہ سند ”موضوع“ (من گھڑت) ہے۔ کیونکہ:

۱..... اس میں عمرو بن عبیدہ راوی ”متروک و کذاب“ اور ”داعی الی البدعہ“ ہے، یونس بن عبیدہ کہتے ہیں:

کان عمرو بن عبیدہ یکذب فی الحديث . یعنی: ”عمرو بن عبیدہ حدیث میں جھوٹ بولتا تھا۔“

(الجرع والتعديل: ۲۴۷/۶)

ابو حاتم کہتے ہیں کہ ”متروک الحدیث“ ہے۔ (الجرع والتعديل: ۲۴۷/۶)

حمید کہتے ہیں: لا تاخذ عن هذا شيئا ، فانه يكذب على الحسن .

”اس سے کچھ روایت نہ کرو، کیونکہ یہ حسن بصری پر جھوٹ باندھتا ہے۔“ (الجرع والتعديل: ۲۴۷/۶-وسندہ حسن)

عمرو بن علی کہتے ہیں: کان متروک الحديث ، صاحب بدعة . (الجرع والتعديل: ۲۴۷/۶-وسندہ صحیح)

نعیم بن حماد کہتے ہیں کہ میں نے امام عبداللہ بن مبارک سے پوچھا کہ محدثین کرام نے عمرو بن عبید کو کس بنا پر ”متروک“ قرار دیا ہے؟ فرمایا، یہ بدعت کا داعی ہے۔ (الجرع والتعديل: ۶/۷۴، وسندہ حسن)

۲..... اس کا دوسرا راوی عمر بن قیس الحکی بھی ”متروک“ ہے۔

۳..... اس میں حسن بصری کی ”تدلیس“ بھی ہے۔

**دلیل نمبر ۷:** عامر شعی کہتے ہیں: ”یہ تہقبہ فتنہ ہے، ایسا انسان وضو اور نماز کا اعادہ کرے گا۔“

(مصنف ابن ابی شیبہ: ۲۸۸/۸)

**تبصرہ:** اس کی سند ”ضعیف“ ہے، اس میں اشعث بن سوار نامی راوی ”ضعیف“ ہے۔ (تقریب التریب: ۵۲۷)

امام مسلم نے اس سے متابعت میں روایت لی ہے، اس میں ابو خالد الاحمر ”مذلس“ بھی موجود ہے۔

**دلیل نمبر ۸:** ابراہیم نخعی کہتے ہیں کہ جب آدمی نماز میں ہنس پڑے تو وہ وضو اور نماز دونوں کا اعادہ کرے۔

(مصنف ابن ابی شیبہ: ۲۸۸/۸)

**تبصرہ:** اس میں مغیرہ نامی راوی کا تعین مطلوب ہے، دوسری بات یہ ہے کہ یہ ابراہیم نخعی کا قول ہے، نہ قرآن ہے، نہ حدیث ہے، نہ اجماع امت ہے، آل تقلید امام ابراہیم نخعی کے مقلد یا امام ابو حنیفہ کے۔

لہذا یہ کہنا کہ نماز میں ہنسنے سے وضو ٹوٹ جاتا ہے، باطل، بلکہ ابطال الابطیل ہے، ایک با وضو انسان کا وضو اس وقت ٹوٹے گا، جب سنت یا اجماع سے دلیل قائم ہو جائے گی۔

ہنسنا یا تہقبہ لگانا چیزوں میں سے نہیں، جن سے وضو ٹوٹ جاتا ہے، مثلاً، چھوٹی یا بڑی قضاے حاجت، نیند، ریح وغیرہ، ان چیزوں کے نماز کے اندر واقع ہونے سے بھی وضو ٹوٹ جاتا ہے اور نماز کے باہر بھی، لیکن جو لوگ یہ کہتے ہیں کہ نماز کے اندر ہنسنے سے وضو ٹوٹ جاتا ہے، ان کے نزدیک نماز کے علاوہ ہنسنے سے وضو نہیں ٹوٹتا، یہ عجیب منطق ہے!

آل تقلید یہ کہتے ہیں کہ اگر حالت نماز میں ہوا خارج ہوگئی تو وضو ٹوٹ جائے گا، نمازی دوبارہ وضو کرے، جو نماز پڑھ چکا ہو، اس پر بنیاد کرتے ہوئے باقی ادا کر لے، اگر درمیان میں کلام نہیں کی تو نماز فاسد نہیں ہوگی، اگر کلام کر لی تو نماز فاسد ہو جائے گی، از سر نو نماز ادا کرنا ضروری ہوگا، وہی کہتے ہیں کہ اگر دوران نماز ہنسی آجائے تو وضو اور نماز دونوں کا اعادہ ضروری ہوگا، معلوم ہوا کہ ان کے نزدیک نماز میں ہنسنا ہوا خارج کرنے سے بھی بڑا کام ہے۔

جناب عبدالشکور لکھنوی فاروقی دیوبندی لکھتے ہیں:

”نا بالغ کے تہقبہ سے وضو نہیں ٹوٹتا، اگر چہ نماز میں ہی ہو۔“ (علم الفقہ اند لکھنوی: ۹۶)

نیز لکھتے ہیں:

”جنازہ کی نماز اور تلاوت کے سجدہ میں تہقبہ لگانے سے وضو نہیں جاتا، بالغ ہو یا نا بالغ۔“ (علم الفقہ: ۹۶)

جبکہ یہ فرق شریعت مطہرہ سے ثابت نہیں، محض ان کے منہ کی باتیں ہیں۔ دیکھیں کہ یہ لوگ کس طرح اسلام کے

نظام نظافت و طہارت کا سنگین مذاق اڑاتے ہیں!



یاد رہے کہ وضو ایمان میں داخل ہے، یہ بات بھی واضح ہو کہ لکھنوی صاحب نے اپنی اس کتاب کے بارے میں لکھا ہے کہ: ”ہر مسئلہ میں وہی قول لکھا جائے گا، جس پر فتویٰ ہے۔“ (علم الفقہ: ۱۵)

تجربہ خیز بات تو یہ ہے کہ یہی لوگ کہتے ہیں کہ اگر نماز کے آخر میں سلام پھیرنے سے پہلے اتنی دیر بیٹھا، جتنی دیر میں تشہد بڑھا جا سکتا ہے، پھر جان بوجھ کر ہوا خارج کر دے یا قہقہہ لگا دے یا ہنس دے یا نماز کے منافی کوئی کام کر دے تو نماز مکمل ہوگئی۔ فی الجبر!

اس سے بڑھ کر جرائی اس بات پر ہے کہ جو لوگ یہ کہتے ہیں کہ نماز میں ہنسنے سے وضو اور نماز دونوں ٹوٹ جاتے ہیں، ان کے نزدیک اگر نماز میں کسی پر تہمت لگائی یا فحش کلام کر دی تو وضو نہیں ٹوٹے گا، مطلب صاف ظاہر ہے کہ ان کے نزدیک نماز میں ہنسنا کسی پر تہمت لگانے سے بھی بڑا جرم ہے۔

اس پر ایک مناظرہ کی روئیداد ملاحظہ فرمائیں:

البویطی بقول: سمعت الشافعی يقول: قال لي الربيع: أنا أشتي أن أسمع مناظرتك و اللؤلؤى، قال: فقلت له: ليس هناك، قال: فقال: أنا أشتي ذلك، قال: فقلت: متى شئت، قال: فأرسل الي فحضرني رجل ممن كان يقول بقولهم، ثم رجع الي قولی، فاستتبته وأرسل الي اللؤلؤى، فجاء، فأتينا بطعام، فاكلنا ولم يأكل اللؤلؤى، فلما غسلنا أیدینا قال له الرجل الذی كان معی: ما تقول فی الرجل كذف محصنة فی الصلاة؟ قال: بطلت صلاته، قال: فما حال الطهارة؟ قال: بحالها، قال: فقال له: فما تقول فی من ضحك فی الصلاة؟ قال: بطلت صلاته و طهارته، قال: فقلت: كذف المحصنات فی الصلاة أيسر من الضحك فی الصلاة؟ قال: فأخذ اللؤلؤى نعله وقام، قال: فقلت للفضل: قد قلت لك: انه ليس هناك.

”بویطی کہتے ہیں کہ میں نے امام (محمد بن ادریس) الشافعی کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ مجھے فضل بن ربیع (یہ امیر المؤمنین ہارون الرشید کے دربان تھے) نے کہا، میں آپ کے اور (حسن بن زیاد) اللؤلؤی (کذاب حنفی فقیہ) کے مابین مناظرہ منانا چاہتا ہوں، میں نے کہا، وہ اس قابل نہیں، اس نے کہا کہ میں کرنا چاہتا ہوں، امام شافعی فرماتے ہیں کہ میں نے کہا، آپ کب مناظرہ کرنا چاہتے ہیں؟ پھر اس (فضل بن ربیع) نے (مناظرے کے لیے) مجھے بلوایا، اسی اثنا میں ایک آدمی میرے پاس آیا جو پہلے اللؤلؤی کا معتقد تھا، بعد میں اس نے میرا مسلک اختیار کر لیا تھا، میں نے اسے بھی اپنے ساتھ لے لیا، اس (فضل بن ربیع) نے اللؤلؤی کو بھی بلایا، وہ آگیا، ہمارا کھانا لایا گیا، ہم سب نے کھانا کھایا، لیکن اللؤلؤی نے نہیں کھایا، جب ہم ہاتھ دھو رہے تھے تو میرے ایک ساتھی نے اللؤلؤی سے پوچھا کہ آپ ایسے انسان کے بارے میں کیا کہتے ہیں، جو نماز میں کسی پاک دامن عورت پر زنا کی تہمت لگائے؟ اس نے کہا، اس کی نماز باطل ہے، اس نے پھر پوچھا کہ اس کے وضو کیا بنے گا؟ اللؤلؤی نے کہا کہ وہ برقرار رہے گا، اس نے اللؤلؤی سے پوچھا کہ اس شخص کے بارے میں کیا کہتے ہیں، جو نماز میں ہنس پڑے؟ اس نے جواب دیا کہ اس کا وضو اور نماز دونوں باطل ہیں، اس نے کہا کہ میں نے اللؤلؤی

سے پوچھا کہ کیا آپ کے نزدیک نماز میں پاک دامن عورت پر زنا و بدکاری کی تہمت لگانا، نماز میں ہنسنے کے مقابلے میں چھوٹا جرم ہے (کہ وہاں صرف نماز ٹوٹی اور یہاں وضو اور نماز دونوں)؟ اس پر اللہ والوں نے جوتے پکڑے اور بھاگ گیا، امام شافعی فرماتے ہیں کہ میں نے فضل بن ریح کو کہا کہ میں نے تو آپ کو پہلے بتایا تھا کہ یہ مناظرہ کرنے کی سکت نہیں رکھتا۔“ (المکمل للابن عدی: ۳۹۹/۲ وسندہ حسن)

اس مناظرہ کے راوی ابو جعفر محمد بن زاہر النسائی کے بارے میں امام ابو حاتم الرازی فرماتے ہیں:

لم یکن بہ بأس. (المرج والتعذیر: ۳۶۰/۷)

**قارئین!** اب آپ خود فیصلہ کریں کہ دین و ایمان کے خلاف ایسے مضحکہ خیز اور سنسنی خیز مسائل بیان کرنے والے دین کے خیر خواہ ہو سکتے ہیں؟ شریعت کی اس مخالفت کو آپ کیا نام دیں گے؟



ابو عبد اللہ

نامیدی:

نامیدی جائز نہیں، کیونکہ یہ اللہ تعالیٰ کے بارے میں دو طریقے سے سوء ظن ہے:

۱..... نامید آدمی سمجھتا ہے کہ اللہ تعالیٰ یہ کام نہیں کر سکتا، حالانکہ وہ ہر چیز پر ہر وقت قادر ہے۔

۲..... وہ اللہ تعالیٰ کی رحمت کو ناقص سمجھتا ہے، حالانکہ اللہ تعالیٰ رحیم ہے، کسی بندے پر کسی بھی وقت رحم کر سکتا ہے، اس کی رحمت سے نامید آدمی گمراہ ہوتا ہے، چنانچہ فرمان باری تعالیٰ ہے:

﴿وَمَنْ يَقْنُطْ مِنْ رَحْمَةِ رَبِّهِ إِلَّا الضَّالُّونَ﴾ (العنکب: ۵۶)

”اپنے رب کی رحمت سے صرف گمراہ لوگ ہی ناامید ہوتے ہیں۔“

لہذا ضروری ہے کہ اللہ تعالیٰ کا ڈر دل میں رکھنے کے ساتھ ساتھ اس کی رحمت کی امید بھی رکھی جائے۔

نامیدی کے دو اسباب ہیں:

۱..... یہ کہ آدمی اپنی جان پر ظلم اور گناہوں پر جسارت کرتا رہے، ان پر مصر اور قائم رہنے کا عزم کر لے، پھر اللہ تعالیٰ کی رحمت سے امید ختم کر لے، یہ سمجھتے ہوئے کہ اس نے رحمت کے اسباب ختم کر دیئے ہیں، آخر کار یہ ناامیدی اس کی عادت بن جاتی ہے اور شیطان انسان سے زیادہ سے زیادہ بھی مقصد حاصل کرنا چاہتا ہے۔

۲..... یہ کہ انسان اپنے کیے ہوئے جرائم کی وجہ سے اتنا ڈرا رہے اور سو کر لے کہ لاعلمی میں یہ سمجھ بیٹھے کہ اب اللہ تعالیٰ اسے معاف ہی نہیں کرے گا، اگرچہ وہ گنہگار ہی نہ ہو، یوں وہ اللہ تعالیٰ کی رحمت سے مایوس ہو جاتا ہے۔

انسان کو چاہیے کہ وہ گناہوں پر مصر نہ رہے، بلکہ ان کو چھوڑ کر اللہ تعالیٰ کے حضور سچی اور پکی توبہ کر لے، پھر یہ عقیدہ رکھے کہ توبہ کے سبب بڑے سے بڑے گناہ بھی معاف ہو جاتے ہیں، یہی ناامیدی کا خاتمہ ہے۔

غلام مصطفیٰ ظہیر امن پوری

آؤ عمل کریں !

جس نمبر ۱: سفر سے واپسی پر گھڑ جانے سے پہلے مسجد میں دو رکعتیں

انسان زندگی کے اس سفر میں کئی سفر کرتا ہے، اس حوالے سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی رہنمائی یہ ہے کہ سفر سے واپسی پر مسجد میں جا کر دو رکعتیں نماز ادا کرنے کے بعد گھر کا رخ کرے، یہ سنت مجبورہ ہے، کتنے لوگ اس سے غافل ہیں، اس پیاری سنت کو زندہ کرنے کی اشد ضرورت ہے، جیسا کہ:

(۱)..... سیدنا کعب بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے:

((كان النبي صلى الله عليه وسلم إذا قدم من سفر بدأ بالمسجد فصلى فيه))

”نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم جب سفر سے واپس تشریف لاتے، تو ابتداً مسجد کے ساتھ کرتے، (یعنی سب سے پہلے مسجد جاتے) اس میں (دو رکعت) نماز ادا کرتے۔“ (صحیح بخاری: ۲۰۸۸، صحیح مسلم: ۷۱۶)

ایک روایت میں ہے:

((ثُمَّ جَلَسَ فِيهِ))

”پھر اس میں بیٹھتے۔“ (مسلم: ۷۱۶)

حافظ نووی (۶۳۱-۶۷۷ھ) ایک حدیث کے تحت لکھتے ہیں:

في هذه الأحاديث استحباب الركعتين للقادم من سفره في المسجد أول قدومه وهذه الصلوة مقصودة للقدوم من السفر، تحية المسجد، والأحاديث المذكورة صريحة.

”ان احادیث میں سفر سے واپس لوٹنے والے کے لیے سب سے پہلے مسجد میں دو رکعتیں ادا کرنے کے استحباب کا ثبوت ہے، یہ سفر سے لوٹنے والے کی نماز ہے، نہ کہ تحیۃ المسجد، احادیث مذکورہ اس پر صریح دلیل ہیں۔“

(شرح مسلم للنووی: ۲۴۸۸)

امیر المؤمنین فی الحدیث فقیہ الامام بخاریؒ نے اس حدیث پر ”باب الصلوة إذا قدم من سفر“ قائم کیا ہے۔

(۲)..... سیدنا جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں:

((اشترى مني رسول الله صلى الله عليه وسلم بعيرا، فلما قدم المدينة أمرني أن آتي

المسجد فأصلي ركعتين))

”رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ سے اونٹ خریدا، جب آپ مدینہ تشریف لائے، تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے مسجد میں آنے کا حکم دیا کہ میں اس میں دو رکعتیں ادا کروں۔“ (صحیح بخاری: ۴۴۳، صحیح مسلم: ۷۱۵، واللفظ له)

(۳)..... سیدنا ابن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں:

((ان رسول الله صلى الله عليه وسلم حين أقبل من حجته، دخل المدينة، فأناخ على باب

مسجده، ثم دخله، فركع فيه ركعتين، ثم انصرف الى بيته.

”رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم جب حج سے واپس ہوئے تو آپ نے مدینہ میں داخل ہو کر اپنی مسجد کے دروازے پر سواری کو بٹھا دیا، پھر مسجد میں داخل ہو کر دو رکعتیں ادا کیں، پھر اپنے گھر کی طرف لوٹ گئے۔“  
ابن عمر رضی اللہ عنہ کے شاگرد ”نافع“ بیان کرتے ہیں کہ سیدنا ابن عمر کا بھی یہی طریق کار تھا۔

(مسند الامام احمد: ۱۲۹/۲ سنن ابی داؤد: ۳۷۸۲ وسندہ صحیح)

## فائدہ:

۱..... ابوصالح کہتے ہیں:

((انّ عثمان كان إذا قدم من سفر، صلى ركعتين))

”سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ جب سفر سے آتے تو دو رکعتیں ادا فرماتے“

(مصنف ابن ابی شیبہ: ۸۲/۲)

وسندہ حسن ان صحّ سماع أبی صالح عن عثمان، وهو نفسه صدوق حسن الحديث، قال

الذهبی فیہ: ثقہ (میزان الاعتدال: ۵۲۹/۴)

۲..... ایک دوسری روایت میں سیدنا ابن عمر رضی اللہ عنہما سے سفر سے واپسی پر مسجد میں بھی دو رکعتیں پڑھنا ثابت

ہے۔ (فضل الصلاة على النبي للامام اسماعيل بن اسحاق القاضي: ۹۹ وسندہ صحیح)

☆.....☆.....☆

## عمل نمبر ۲ گھر سے نکلنے اور داخل ہونے وقت کی نماز

(۱)..... سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں:

إذا دخلت منزلك فصل ركعتين تمنعانك مدخل السوء، وإذا خرجت من منزلك فصل

ركعتين تمنعانك مخرج السوء.

”جب تم اپنے گھر میں داخل ہو تو دو رکعتیں ادا کرو، وہ تمہیں اندرونی برائی سے محفوظ رکھیں گی، اسی طرح جب تم گھر

سے نکلو تو دو رکعتیں ادا کرو، وہ تمہیں بیرونی نقصان سے بچائیں گی۔“ (کنف الاستدلال: ۷۴۶ وسندہ صحیح)

حافظ بیہقی کہتے ہیں: رجاله موثقون۔ (مجمع الزوائد: ۲۸۲/۴-۲۸۴)

۲..... موسیٰ بن ابی موسیٰ اشعری رحمہ اللہ کہتے ہیں:

((انّ ابن عباس قدم من سفر فصلى في بيته ركعتين على طنفسة))

”سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ ایک سفر سے واپس آئے تو اپنے گھر میں چٹائی پر دو رکعتیں ادا کیں۔“

(مصنف ابن ابی شیبہ: ۸۲/۲ وسندہ حسن)

## عمل نمبر ۳:

شہر بن حوشب کہتے ہیں کہ میں نے ام سلمہ رضی اللہ عنہا کو بیان کرتے ہوئے سنا کہ وہ کہہ رہی تھیں کہ سیدہ فاطمہ

رضی اللہ عنہما نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئیں، آپ سے کام کی شکایت کی، کہنے لگیں، اے اللہ کے رسول! اللہ کی قسم، چکی پیسنے کی وجہ سے میرے ہاتھوں پر چھالے پڑ گئے ہیں، آنا بیستی ہوں، پھر گوندھتی ہوں، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے فرمایا، اگر اللہ تعالیٰ نے آپ کے مقدر میں کچھ لکھا ہے، وہ آپ کو ضرور ملے گا، میں آپ کو اس سے بہتر چیز کی راہنمائی کرتا ہوں کہ جب آپ سونے کے لیے بستر پر لیٹیں تو ۳۳ مرتبہ ”سبحان اللہ“، ۳۳ بار ”اللہ اکبر“ اور ۳۳ بار ”الحمد للہ“ کہو، یہ پورا سو ہے، جو کہ خادم سے کہیں زیادہ بہتر ہے، نماز فجر اور نماز مغرب کے بعد دس مرتبہ یہ ذکر کریں:

لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ وَحْدَهُ لَا شَرِيكَ لَهُ، لَهُ الْمُلْكُ وَلَهُ الْحَمْدُ، يُحْيِي وَيُمِيتُ، بِيَدِهِ الْخَيْرُ، وَهُوَ عَلَى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ.

”اللہ کے سوا کوئی معبود (برحق) نہیں، وہ (ذات و صفات میں) اکیلا ہے، اس کا کوئی شریک نہیں، اسی کی بادشاہت ہے، تعریف و ثناء بھی اسی کی ہے، وہی زندہ کرتا ہے، وہی مارتا ہے، اسی کے ہاتھ میں خیر و بھلائی ہے، وہ ہر چیز پر قادر ہے۔“

ہر ایک کے بدلے میں دس نیکیاں لکھی جائیں گی، دس گناہ مٹا دیے جائیں گے، اسماعیل علیہ السلام کی اولاد سے ایک گردن آزاد کرنے کا اجر و ثواب ملے گا، شرک کے علاوہ کوئی گناہ گرفت نہیں کر سکے گا۔  
لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ وَحْدَهُ لَا شَرِيكَ لَهُ۔ یہ آپ کے لیے صبح سے شام تک ہر شیطان اور ہر برائی سے بچاؤ کا ہتھیار ہے۔ (مسند الامام احمد: ۶/۲۹۸، المعجم الكبير للطبرانی: ۲۲/۳۲۹، وسند حسن)  
حافظ ہاشمی فرماتے ہیں: اسنادہما حسن.

”(احمد اور طبرانی) دونوں کی سند حسن ہے۔“ (مجمع الزوائد: ۱۰/۱۲۲)  
اس حدیث کے راوی شہر بن حوشب کو امام احمد بن حنبل، امام ترمذی بن معین، امام ابو زرعہ، امام علی، امام بخاری، امام ابو حاتم الرازی، امام یعقوب بن شبیبہ، امام یعقوب بن سفیان، الفسوی اور جمہور نے توثیق کی ہے، نیز خطیب بغدادی (موضع الادواء بین الجمع والتفریق: ۸/۳۶۸) اور محدث المؤمل بن احمد (فوائد المؤمل: ۶۷) نے اس کی حدیث کی سند کی تحسین کر کے توثیق کی ہے۔ یہ حسن الحدیث ہے۔ حافظ ذہبی نے اس کے ترجمہ کے شروع میں [صح] لکھا ہے، اس کا مطلب ہے کہ ذہبی کے نزدیک اس پر جرح مردود ہے اور توثیق رائج ہے، جیسا کہ حافظ ابن الملقن اور حافظ ابن حجر لکھتے ہیں: [صح] واصطلاحه أن العمل على توثيقه.

”[صح] ذہبی کی اصطلاح ہے کہ اس راوی کی توثیق ہی رائج ہے۔“

(البدر المنير لابن الملقن: ۸/۶۸، لسان الميزان لابن حجر: ۲/۵۹۹ ترجمہ حارث بن محمد بن ابی اسامہ)

اس بارے میں حافظ ذہبی لکھتے ہیں: الرجل غير مدفوع عن صدق وعلم والاحتجاج به مترجح.

”اس راوی کا صدق و علم ثابت ہے، اس کی حدیث سے حجت پکڑنا ہی رائج ہے۔“ (سير اعلام النبلاء: ۴/۲۷۸)

حافظ ہاشمی اس راوی کے بارے میں کہتے ہیں: وحديثه حسن. ”اس کی حدیث حسن ہوتی ہے“

(مجمع الزوائد : ۱۰۸/۸۰)

نیز کہتے ہیں: والصحيح أنهما ثقتان ولا يقدح الكلام فيهما.  
”صحیح بات یہ ہے کہ (عبدالحمید بن بہرام اور شہر بن حوشب) دونوں ثقہ ہیں، ان میں جرحی کلام قابلِ قدح نہیں۔“

(مجمع الزوائد : ۲۳۳/۸)



### عمل نمبر ۷:

صحابی رسول مسلم بن حارث التیمی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے سرگوشی کرتے ہوئے فرمایا کہ جب آپ نمازِ مغرب سے فارغ ہوں تو سات مرتبہ یہ دعا پڑھیں:

اللَّهُمَّ أَجِرْنِي مِنَ النَّارِ.

”اے اللہ! مجھے جہنم سے پناہ دے۔“

اگر آپ نے یہ دعا پڑھ لی اور اسی رات فوت ہو گئے تو جہنم سے پناہ لکھ دی جائے گی، جب آپ نمازِ فجر پڑھ لیں تو یہی دعا پڑھ لیں، اگر اس دن فوت ہو گئے تو جہنم سے پناہ لکھ لی جائے گی۔“ (سنن ابی داؤد : ۵۰۷۹، وسند حسن)

اس حدیث کو امام ابن حبان (۲۳۳۶-الموارد) نے ”صحیح“ کہا ہے۔

حافظ ابن حجر نے اس کو ”حسن“ کہا ہے۔ (نتائج الافکار : ۲۳۶/۲)

اس کے راوی حارث بن مسلم کو امام دارقطنی نے ”مجهول“ کہا ہے، جبکہ امام ابن حبان اور حافظ بیہقی اس کو ”ثقة“ کہتے ہیں۔ (مجمع الزوائد : ۹۹/۸)

اس پر جرح مفسر نہیں ہے، اس کے صحابی ہونے میں اختلاف ہے، لہذا یہ ”حسن الحدیث“ ہے، حافظ ابن حجر ایک اصول بیان کرتے ہیں:

وأما حالها فقد ذكرت في الصحابة ، وان لم يكن يثبت لها صحبة ، فمثلا لا يسأل عن حالها .

”جہاں تک (رباح کی داوی) کی عدالت کا تعلق ہے تو اس کو صحابہ میں ذکر کیا گیا ہے، اگرچہ اس کا صحابیہ ہونا ثابت نہ بھی ہوگا، تب بھی اس کیسی راویہ کی عدالت کے بارے میں سوال نہیں کیا جائے گا۔“ (التلخیص العبیر : ۷۴/۸)

اس اصول کے مطابق حارث بن مسلم کی عدالت ثابت ہوتی ہے، لہذا یہ ”حسن الحدیث“ ہے۔



غلام مصطفیٰ ظہیر امن پوری

## کوئی صحیح حدیث قرآن کے مخالف نہیں

منکرین حدیث درحقیقت منکرین قرآن ہیں، ان کے عدم فہم و علم کے بارے میں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا

ارشاد گرامی ہے:

يَقْرَءُونَ الْقُرْآنَ ، لَا يَجَاوِزُ حُلُوقَهُمْ وَ حَنَاجِرَهُمْ ، يَمْرُقُونَ مِنَ الدِّينِ مَرْوَقَ السَّهْمِ مِنَ الرِّمِيَةِ .

”وہ قرآن پڑھیں گے، لیکن وہ ان کے حلقوں سے تجاوز نہیں کرے گا، وہ دین سے اس طرح نکل جائیں گے، جس

طرح تیر شکار سے نکل جاتا ہے۔“ (صحیح بخاری: ۶۹۳۱)

یہ حدیث خوارج (منکرین حدیث وغیرہ) کے عدم فہم و علم پر بین ثبوت ہے، کیونکہ وہ قرآن وحدیث کی توہین اور

مسلمانوں کی تکفیر کے مرتکب ہیں۔

حافظ ابن حجر لکھتے ہیں:

ورد الروايات الصحيحة والطعن في أئمة الحديث الضابطين مع إمكان توجيه ما روي من

الأمور التي أقدم عليها كثير من غير أهل الحديث ، وهو يقتضي قصور فهم من فعل ذلك منهم ،

ومن ثم قال الكرمانى : لا حاجة لنسختة الرواة الثقة .

”بہت سے غیر اہل حدیثوں نے احادیث صحیحہ اور روایات ثابتہ کا رد و انکار کیا ہے، حفاظ ائمہ حدیث پر طعن زنی کی

ہے، یہ اقدام ان کے ناقص العقل وقاصر الفہم ہونے پر دلیل ہے، اسی وجہ سے کرمانی (شارح بخاری) نے کہا ہے کہ ثقہ

راویوں کی طرف خواہ مخواہ غلطی کی نسبت کرنے کی ضرورت نہیں (بلکہ ان کی روایتوں میں جمع وتوفیق اور تطبیق دینا ضروری

ہے)۔“ (فتح الباری: ۴/۸۱۳)

منکرین حدیث نے قرآن وحدیث کے اتباع کی بجائے عقل سوء اور نفسانی خواہشات کی پرستش شروع کر دی ہے،

ان کے زعم باطل کے مطابق حدیث دلیل شرعی نہیں ہے، وہ حدیث کو قرآن کی ضد خیال کرتے ہیں، جبکہ جہاں قرآن وحی

ہے، وہاں حدیث بھی وحی ہے، وحی حق ہے، کیا حق حق کے ساتھ ٹکرا سکتا ہے؟ ایک حق کو دوسرے حق پر پیش کرنے کی کیا

ضرورت رہ جاتی ہے؟ ایک مسلمان کا تو یہ شیوہ ہونا چاہیے کہ جو کچھ قرآن وحدیث کی صورت میں محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے دیا

ہے، اس کو دل وجان سے برحق تسلیم کرے اور اس پر ایمان لائے، جیسا کہ امام زہری رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

على الله البيان وعلى الرسول البلاغ وعلينا التسليم .

”بیان کرنا اللہ تعالیٰ کا کام ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ذمہ پہنچانا ہے اور سر تسلیم خم کرنا ہم پر لازم ہے۔“

(الترغيد لابن أبي عاصم: ۷۶: حلیۃ الاولیاء للذہبی نعیم: ۳۶۹/۳: عقیدۃ السلف أصحاب الحديث)

لذہبی اسماعیل الصابونی، واللفظ له: تعلیق التعلیق لابن حجر: ۳۶۵/۵: وسندہ صحیح)

یہ تو ہوا مومنوں کا وظیرہ، جبکہ گمراہ اور ظالم قرآن وحدیث میں ٹکراؤ پیدا کرنے کی مذموم کوشش کرتا ہے، اس طرح وہ

متاع ایمان سے ہاتھ دھو بیٹھتا ہے، قرآن وحدیث میں کوئی تعارض نہیں، ہاں! ظاہری طور پر تعارض موجود ہے، حقیقت



میں کوئی تعارض نہیں، اہل ایمان نور ایمان و علم سے تعارض کو رفع کر دیتے ہیں، جبکہ معاندین تصور فہم کی بنیاد پر گمراہی اور ضلالت کے گھٹا ٹوپ اندھیروں میں ڈوب جاتے ہیں۔  
حافظ خطابی لکھتے ہیں:

فانه يحذر بذلك مخالفة السنن التي سنّها رسول الله (صلى الله عليه وسلم) مما ليس له في القرآن ذكر على ما ذهب اليه الخوارج والروافض، فانهم تعلقوا بظاهر القرآن وتركوا السنن التي قد تضمنت بيان الكتاب فتحيروا وضلوا.

”رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی وہ سنتیں جن کا ذکر قرآن میں نہیں، ان کی مخالفت سے بچنا چاہیے، خارجیوں اور رافضیوں نے صرف قرآن کے ظاہر کو لیا ہے، جبکہ ان احادیث کو چھوڑ دیا ہے جو قرآن کی توضیح و تشریح پر مشتمل ہیں، اس لیے وہ گمراہ ہو گئے ہیں۔“ (معالم السنن: ۴۹۸/۴)

بقیہ بن ولید (ثقة عند الجمهور) کہتے ہیں کہ امام اوزاعی نے مجھے فرمایا، ایسے لوگوں کے بارے میں آپ کی کیا رائے ہے جو اپنے نبی کی حدیث سے بغض رکھتے ہیں؟ میں نے عرض کی، وہ بے لوگ ہیں، آپ نے فرمایا:

ليس من صاحب بدعة تحدّثه عن رسول الله صلى الله عليه وسلم بخلاف بدعته ألا أبغض الحديث.

”جس بدعتی کو بھی آپ اس کی بدعت کے خلاف حدیث سنائیں گے، وہ اسے برا سمجھے گا۔“

(تurf اصحاب العرب للخطيب: ۱۵۰، المعجة لأبي القاسم الأصبهاني: ۳۰۷/۱، وسند صحيح)

امام آجری فرماتے ہیں:

ينبغي لأهل العلم والعقل اذا سمعوا قائلًا يقول: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم في شيء قد ثبت عند العلماء، فعارض انسان جاهل، فقال: لا أقبل الا ما كان في كتاب الله (عز وجل) قيل له: أنت رجل سوء وأنت ممن حذرناك رسول الله صلى الله عليه وسلم وحذر منك العلماء.

”اہل علم و عقل کو چاہیے کہ جب وہ کسی کو صحیح ثابت فرمان رسول بیان کرتے ہوئے سنیں اور کوئی جاہل انسان اسے سن کر یہ کہے کہ میں صرف قرآن کو مانتا ہوں، اسے کہا جائے کہ تو برا انسان ہے، تجھ جیسے لوگوں سے ہمیں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور علمائے کرام نے خبردار کیا تھا۔“ (الشريعة: ۴۹)

امام شافعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

لا تخالف سنة رسول الله صلى الله عليه وسلم كتاب الله بحال.

”کسی بھی صورت میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت قرآن کریم کے مخالف نہیں ہو سکتی۔“

تحقیق شاطبی لکھتے ہیں:

التعارض اما ان يعتبر من جهة ما في نفس الامر ، واما من جهة نظر المجتهد ، اما من جهة ما في نفس الامر فيغير ممكن بالاطلاق...

”تعارض کی دو قسمیں ہیں، یا تو حقیقی ہوگا یا صرف مجتہد کی نظر میں ہوگا، (قرآن و حدیث میں) حقیقی تعارض بالکل ناممکن ہے۔“ (الموافقات: ۲۹۴/۴)

جو لوگ یہ کہتے ہیں کہ حدیث قرآن پر پیش کرو، اگر قرآن کے موافق ہو تو لے لو، اگر مخالف ہو تو چھوڑ دو، ہمارا ان سے سوال ہے کہ جب قرآن قرآن سے ٹکرائے، اس صورت میں تم قرآن کی کس آیت کو لو گے اور کس کو چھوڑو گے؟ جو ان کا جواب ہوگا، وہی ہمارا قرآن و حدیث میں تعارض کے حوالے سے جواب ہو جائے گا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان گرامی ہے:

لا ألفين أحدكم متكئا على أريكته ، ياتي به الأمر من أمري مما أمرت به أو نهيت عنه ، فيقول : لا ندرى ، ما وجدنا في كتاب الله اتبعناه .

”میں تم میں سے کسی کو نہ پاؤں کہ وہ اپنے صوفہ پر ٹیک لگائے ہوئے ہو اور اس کو امر یا نہی کی صورت میں میرا فرمان پہنچے تو وہ کہے کہ ہم نہیں جانتے، ہم تو صرف قرآن کی اتباع کریں گے۔“

(أبو داود: ۴۶۰۵، ترمذی: ۳۶۶۳، ابن ماجہ: ۱۲، مسند الحمیدی: ۵۵۱، دلائل النبوة للبيهقي: ۵۴۹/۶، وسنده صحيح)

اس حدیث کو امام ترمذی نے ”حسن صحیح“، نیز امام ابن حبان (۱۳) اور امام حاکم (۱۰۹/۱) نے ”صحیح“ کہا

ہے۔ حافظ ذہبی نے ان کی موافقت کی ہے، حافظ بغوی نے بھی اس کو ”حسن“ قرار دیا ہے۔ (شرح السنة: ۲۰۷۸)

حافظ بغوی اس حدیث کے تحت لکھتے ہیں: وفي الحديث دليل على أنه لا حاجة بالحديث الى أن

يعرض على الكتاب ، وأنه مهما ثبت عن رسول الله صلى الله عليه وسلم كان حجة بنفسه .

”یہ حدیث اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ حدیث کو قرآن پر پیش کرنے کی قطعی طور پر کوئی ضرورت نہیں، بلکہ جب

وہ حدیث صحیح ہو تو بذات خود حجت شرعی ہوگی۔“ (شرح السنة: ۲۰۷۸-۲۰۲)

قرآن اور حدیث کے مابین تعارض کی مثال ملاحظہ فرمائیں:

متواتر حدیث ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

انکم سترون ریکم کما ترون هذا القمر ، لا تضامون في رؤيته ....

”یقیناً عنقریب تم اپنے رب کو دیکھو گے، جس طرح بھیر کے بغیر چاند دیکھتے ہو۔“

(صحیح بخاری: ۷۴۳۴، صحیح مسلم: ۶۳۳)

قرآن مجید میں ہے کہ جب موسیٰ علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ سے دیدار کی درخواست کی تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿لَنْ تَرَانِي﴾ (الاعراف: ۱۴۳) ”(اے موسیٰ!) آپ مجھے ہرگز نہیں دیکھ سکتے۔“

حدیث پاک میں دیدار الہی کا ثبوت ہے اور قرآن پاک اس کی نفی کر رہا ہے، منکرین حدیث اس تعارض کا جواب یہ دیتے ہیں کہ یہ حدیث ”صحیح“ نہیں، بالفرض اس کو ”صحیح“ مان لیا جائے تو اس سے مراد ”علم“ ہے نہ کہ دیدار الہی۔ بطور دلیل وہ اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان پیش کرتے ہیں:

﴿أَلَمْ تَرَ أَنَّ اللَّهَ يَسْبِغُ لَهٗ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ﴾ (النور: ۴۱)

”کیا آپ کو علم نہیں کہ آسمان و زمین کی ہر چیز اس کی تسبیح کرتی ہے؟“

تو اس تعارض کا جواب یہ ہے کہ یہ حدیث متواتر ہے، اس کی صحت میں کوئی شبہ نہیں، قرآن نے جس دیدار الہی کی نفی کی ہے، اس کا تعلق دنیا سے ہے، حدیث پاک نے جس کا اثبات کیا ہے، اس کا تعلق آخرت سے ہے، یعنی دنیا میں کوئی آنکھ اللہ تعالیٰ کو نہیں دیکھ سکتی، البتہ آخرت میں وہ مومنوں کو اپنا دیدار دے گا، لہذا تعارض ختم ہوا، یہاں روایت کی تعبیر علم سے کرنا قرآن و حدیث اور صحابہ کرام و سلف صالحین کے متفقہ فہم و تصریحات کے خلاف ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ﴿وَجُودَةٌ يَوْمَئِذٍ نَّاصِرَةٌ﴾ (القیامہ: ۲۳-۲۴)

”اس دن (قیامت کو مومنوں کے) چہرے شگفتہ اور بارونق ہوں گے، اپنے رب کی طرف دیکھتے ہوں گے۔“

نظر کی نسبت چہرے کی طرف کی گئی ہے، جو کہ آنکھوں کا محل ہے، اس کو ”الی“ کے ساتھ متعدی کیا گیا ہے، معلوم ہوا کہ یہ روایت بصری ہوگی نہ کہ قلبی، یہ اہل جنت پر اللہ تعالیٰ کا احسان عظیم ہوگا اور جو منکر ہوگا، وہ اس سے محروم رہے گا۔

ان کی اس باطل تاویل کا رد اسی حدیث میں موجود ہے، جب صحابہ کرام نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روز قیامت ہونے والے دیدار الہی کے بارے میں پوچھا تو آپ نے فرمایا:

هل تضارون في رؤية الشمس بالظهيرة صحوا، ليس معها سحاب؟ وهل تضارون في رؤية القمر ليلة البدر صحوا، ليس فيها سحاب؟ قالوا: لا، يا رسول الله! قال: ما تضارون في رؤية الله تبارك وتعالى يوم القيامة الا كما تضارون في رؤية أحدهما.

”جب سورج نصف النہار پر ہو اور اس کے ساتھ کوئی بادل بھی نہ ہو تو کیا تمہیں سورج دیکھنے میں کوئی دقت یا دشواری ہوتی ہے؟ اور جب چودھویں رات کو آسمان پر چاند جلوہ آرا ہو اور اس پر بادل بھی نہ ہو تو کیا چاند دیکھنے میں کوئی تکلیف ہوتی ہے؟ صحابہ نے عرض کی، نہیں، اے اللہ کے رسول! آپ نے فرمایا، جس طرح تم دنیا میں سورج یا چاند کو دیکھتے ہو، اسی طرح روز قیامت اللہ تبارک و تعالیٰ کا دیدار کر لو گے۔“ (صحیح مسلم: ۱۸۳)

اس حدیث نے واضح کر دیا ہے کہ دیدار بصری ہوگا نہ کہ قلبی۔

امام ابن قتیبہ لکھتے ہیں:

ولو كان الله تعالى لا يرى في حال من الأحوال ولا يجوز عليه النظر، لكان موسى عليه السلام قد خفي عليه من وصف الله ما علموه.

”اگر کسی صورت میں بھی اللہ تعالیٰ کا دیدار ناممکن ہو تو یہ لازم آئے گا کہ اللہ تعالیٰ کے جس وصف کو موسیٰ علیہ السلام

نہ جان سکے، اسے منکرین حدیث جان گئے۔“ (تاویل مختلف الحدیث: ۲۰۷)

منکرین حدیث کا خود ساختہ اصول باطل ہوا کہ حدیث کو قرآن پر پیش کیا جائے، اگر قرآن کے موافق ہو تو لے لی جائے اور اگر قرآن کے مخالف ہو تو چھوڑ دی جائے۔ خوب یاد رہے کہ کوئی صحیح حدیث قرآن کے مخالف نہیں ہوتی، ظاہری مخالفت ہو سکتی ہے، حقیقت میں کوئی مخالفت نہیں ہو سکتی، لہذا ایک صحیح، مرفوع اور متصل حدیث پیش کی جائے جو قرآن کے خلاف ہو، اللہ تعالیٰ کی توفیق سے ہم اس تعارض کو رفع کر دیں گے، اگر قرآن کا ظاہری تعارض رفع ہو سکتا ہے تو قرآن و حدیث کا ظاہری تعارض دور کیوں نہیں ہو سکتا؟ اگر دور نہ ہو تو یہ سمجھ کا قصور ہوگا۔

منکرین حدیث اس مرض میں مبتلا ہیں، شیطان ان کی طرف باطل القاء کرتا ہے، ان کی عقلیں سقیم اور فاسد ہو چکی ہیں، شبہات و وسوسے کے اندھیروں سے ان کے سینے لبریز ہو چکے ہیں، ان کی دلیلیں جو درحقیقت شبہات ہیں، باطل ثابت ہو چکی ہیں، یہ اللہ تعالیٰ کے اس فرمان کے مصداق ہیں:

﴿وَمَنْ يُهِنِ اللَّهُ فَمَا لَهُ مِنْ مُّكْرِمٍ إِنَّ اللَّهَ يَفْعَلُ مَا يَشَاءُ﴾ (الاحق: ۱۸)

”اور جسے اللہ ذلیل کرے، اس کو کوئی عزت دینے والا نہیں، یقیناً اللہ جو چاہتا ہے، سو کرتا ہے۔“

نیز فرمایا:

﴿أُولَئِكَ الَّذِينَ لَعَنَهُمُ اللَّهُ فَأَصَمَّهُمْ وَأَعَمَّى أَبْصَارَهُمْ﴾ (ممد: ۲۳)

”یہ (منکرین حدیث جو درحقیقت منکرین قرآن ہیں) وہ لوگ ہیں، جن پر اللہ نے لعنت کی ہے، پھر ان کو بہرا کر دیا اور ان کی آنکھوں کو اندھا کر دیا۔“

حدیث جو حق ہے، اس کو نہ سن سکتے ہیں، نہ دیکھ سکتے ہیں، نہ سمجھ سکتے ہیں۔

قوام السنۃ امام ابوالقاسم اسماعیل بن محمد الاصہبانی نے کیا خوب لکھا ہے:

وقول من قال: تعرض السنة على القرآن، فان وافقت ظاهره، والا استسلمنا ظاهر القرآن وتركنا الحديث، فهذا جهل، لأن سنة رسول الله صلى الله عليه وسلم مع كتاب الله عز وجل تقام مقام البيان عن الله عز وجل، وليس شيء من سنن رسول الله صلى الله عليه وسلم يخالف كتاب الله لأن الله عز وجل أعلم خلقه أن رسول الله صلى الله عليه وسلم يهدي الى صراط مستقيم فقال: ﴿وَإِنَّكَ لَتَهْدِي إِلَى صِرَاطٍ مُسْتَقِيمٍ﴾ (السورى: ۵۲) وليس لنا مع سنة رسول الله صلى الله عليه وسلم من الأمر شيء الا اتباع والتسليم ولا يعرض على القياس ولا غيره، وكل ما سواها من قول الآدميين تبع لها ولا عذر لاحد يعتمد ترك السنة، ويذهب الى غيرها، لأنه لا حجة لقول أحد مع رسول الله صلى الله عليه وسلم اذا صح.

”منکرین حدیث کا یہ کہنا کہ سنت کو قرآن پر پیش کیا جائے گا، اگر وہ قرآن کے موافق ہوئی تو ٹھیک ورنہ ہم قرآن کے ظاہر کو لے لیں گے اور حدیث کو چھوڑ دیں گے، نری جہالت ہے، کیونکہ سنت رسول صلی اللہ علیہ وسلم قرآن کے موافق

ہے، بلکہ اللہ کی طرف سے قرآن کی تفسیر و بیان اور تشریح ہے، کوئی سنت قرآن کے مخالف و معارض نہیں ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اپنی مخلوق کو اس بات سے باخبر کیا ہے کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم سیدی راہ کی راہنمائی فرماتے ہیں، فرمایا: ﴿وَإِنَّكَ لَتَهْدِي إِلَى صِرَاطٍ مُسْتَقِيمٍ﴾ (النسوی: ۵۴) (آپ ضرور و صراطِ مستقیم کی ارشاد و راہنمائی فرماتے ہیں)۔ ہمارے لیے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اتباع و تسلیم کے بغیر کوئی چارہ نہیں، نیز حدیث کو قیاس وغیرہ پر بھی پیش نہیں کیا جائے گا، امتیوں کے اقوال و افعال تو حدیث کے تابع ہیں (اگر حدیث کے موافق ہوں تو لے لیں گے، ورنہ ترک کر دیں گے) کسی کے لیے جان بوجھ کر سنت کو چھوڑ کر کسی دوسری طرف جانے کی گنجائش نہیں ہے، جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا قول صحیح ثابت ہو جائے تو اس کے خلاف کسی کا قول حجت نہیں ہے۔“ (المعجۃ فی بیان المعجۃ: ۴۲۵/۲-۴۲۶)

اہل سنت کے امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

من رد حدیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فهو علی شفا ہلکۃ .

”جس نے حدیث رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو رد کر دیا، وہ بتائی و بربادی کے دہانے پر کھڑا ہے۔“

(المعجۃ فی بیان المعجۃ: ۲۰۷/۱، مناقب الامام احمد لابن الجوزی: ۸۲، وسندہ حسن)

قوام السنۃ ابواسامعیل الاصبہانی لکھتے ہیں:

”آدمی پر اہل بدعت سے بغض لازم ہے، وہ جہاں بھی ہوں، تاکہ وہ اللہ کی خاطر محبت اور اللہ کی خاطر بغض و نفرت کرنے والوں میں سے ہو جائے، اہل سنت سے محبت اور اہل بدعت سے بغض و نفرت کی کچھ علامات ہیں، جب کسی شخص کو آپ امام مالک بن انس، امام سفیان بن سعید الثوری، امام عبد الرحمن بن مہدی، امام عبد اللہ بن مبارک، امام محمد بن ادریس الشافعی اور دیگر صحیح العقیدہ ائمہ کرام رحمہم اللہ کا ذکر خیر کرتے دیکھیں، تو جان لیں کہ وہ اہل سنت میں سے ہے اور جب کسی کو دیکھیں کہ وہ اللہ کے دین اور اس کی کتاب میں جھگڑا کر رہا ہے، اسے کہا جاتا ہے کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے یوں فرمایا ہے، تو وہ کہتا ہے کہ ہمیں اللہ کی کتاب کافی ہے، جان لیں کہ وہ بدعتی ہے، جب کسی آدمی کو کہا جائے کہ تو حدیث کیوں نہیں لکھتا؟ وہ کہتا ہے کہ عقل بہتر ہے، جان لیں کہ وہ بھی بدعتی ہے، جب آپ دیکھیں کہ کوئی اہل فلسفہ و ہندسہ کی مدرجہ سرائی کر رہا ہے، تو جان لیں کہ وہ گمراہ ہے، جب کسی کو دیکھیں کہ وہ اہل حدیث کو ”ششیو، مشہبہ اور ناصبہ“ کہہ رہا ہو، تو جان لیں کہ وہ بدعتی ہے، جب کوئی صفاتِ الہی کی نفی یا ان کو مخلوق سے تشبیہ دے رہا ہو، تو جان لیں کہ وہ گمراہ ہے۔“

(المعجۃ فی بیان المعجۃ: ۵۳۹/۲-۵۴۰)

اللہ رب العزت کا ارشاد گرامی ہے: ﴿مَنْ يُطِيعِ الرَّسُولَ فَقَدْ أَطَاعَ اللَّهَ﴾ (النساء: ۸۰)

”جس نے رسول کی اطاعت کی، درحقیقت اس نے اللہ کی اطاعت کی۔“

یہ آیت کریمہ نص ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اقوال و افعال و احوال اللہ کی وحی ہیں، جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اقوال و افعال اللہ کی وحی کے تابع ہیں، تو ان کو قرآن کریم پر پیش کرنے کی کیا ضرورت باقی رہ جاتی ہے؟

حافظ ابن حزم فرماتے ہیں:

....فصح ان كلام رسول الله صلى الله عليه وسلم كله في الدين وحى من عند الله عز وجل ، لا شك في ذلك ولا خلاف بين أحد من أهل اللغة والشريعة في أن كل وحى نزل من عند الله فهو ذكر منزل .

”یہ لاریب حقیقت ہے کہ دین کے متعلق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ساری باتیں وحی الہی ہیں، اللہ تعالیٰ کی طرف سے نازل ہونے والی وحی کے منزل من اللہ ذکر ہونے میں لغت و شرع میں کوئی اختلاف نہیں۔“

(الاحکام لابن حزم: ۱۳۵/۸)

حسان بن عطیہ تابعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: کان جبریل ينزل على رسول الله صلى الله عليه وسلم بالسنة كما ينزل عليه القرآن ويعلمه اياها كما يعلمه القرآن .

”جبریل امین رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر سنت کے لیے بھی نازل ہوتے تھے، جس طرح کہ قرآن کے لیے نازل ہوتے تھے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو سنت کی ویسے ہی تعلیم دیتے تھے، جس طرح قرآن کی تعلیم دیتے تھے۔“

(السنة لمحمد بن نصر المروزي: ۱۱۶/۲۸، وسنده صحيح)

ابوالبقاء الحسینی الحنفی کہتے ہیں:

والحاصل أن القرآن والحديث يتحدان في كونهما وحيا من عند الله بدليل: ﴿إِنْ هُوَ إِلَّا وَحْيٌ يُوحَى﴾ (النجم: ۵)

”الحاصل، فرمان الہی: ﴿إِنْ هُوَ إِلَّا وَحْيٌ يُوحَى﴾ (النجم: ۵) کے مطابق قرآن و حدیث دونوں وحی ہونے میں متحد و متفق ہیں۔“ (کلیات ابی البقاء: ۲۸۸)

علامہ شوکانی لکھتے ہیں:

وقد اتفق من يعتد به من أهل العلم على أن السنة المطهرة بتشريع الأحكام ، وأنها كالقرآن في تحليل الحلال وتحريم الحرام .

”معتبر علمائے اسلام سنتِ مطہرہ کی مستقل تشریحی حیثیت پر متفق ہیں، یقیناً یہ جلال و حرام میں قرآن کی طرح ہے۔“

(ارتداد الفصول للمسوکانی: ۳۳)

نیز فرماتے ہیں: ان ثبوت حجية السنة المطهرة واستقلالها بتشريع الأحكام ، ضرورة دينية ، ولا يخالف في ذلك الا من لا حظ له في دين الاسلام .

”سنتِ مطہرہ کی حجیت اور اس کا احکام شرعیہ کا مستقل مصدر ہونے کا ثبوت ضرورتِ دینی ہے، اس میں اختلاف

وہی کرتا ہے، جس کا دین اسلام میں کوئی حصہ نہیں۔“ (ارتداد الفصول: ۳۳)

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا أَطِيعُوا اللَّهَ وَأَطِيعُوا الرَّسُولَ وَأُولِيَ الْأَمْرِ مِنْكُمْ﴾ (النساء: ۵۹)

”اے اہل ایمان! اللہ تعالیٰ کی اطاعت کرو اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت کرو اور اولی الامر کی اطاعت کرو۔“

جب اللہ تعالیٰ نے اپنی اور اپنے رسول کی اطاعت کا حکم دیا تو ”طیعوا“ کا صیغہ امر الگ الگ ذکر فرمایا، جب اولی الامر کی اطاعت کا حکم دیا، تو صیغہ امر نہیں دہرایا، بلکہ عطف پر اکتفا کیا، اس سے ثابت ہوا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث مستقل بالذات دلیل ہیں، لہذا آپ کی احادیث مبارکہ کو کتاب اللہ پر پیش کرنے کی کوئی ضرورت نہیں۔ علامہ ابن القیم فرماتے ہیں:

فأمر تعالى بطاعته وطاعة رسوله ، وأما الفعل اعلاما بأن طاعة الرسول تجب استقلالاً من غير عرض ما أمر به على الكتاب ، بل اذا أمر وجبت طاعته مطلقاً ، سواء كان ما أمر به في الكتاب أو لم يكن فيه ، فانه أوتى الكتاب ومثله معه .

”اللہ تعالیٰ نے اپنی اطاعت اور اپنے رسول کی اطاعت کا حکم فرمایا، ”طیعوا“ کو دو بار ذکر کر کے یہ باور کروایا کہ حدیث کو قرآن پر پیش کیے بغیر اطاعت رسول مستقل شرعی مصدر و ماخذ ہونے کی حیثیت سے واجب ہے، بلکہ جب حکم دیا تو مطلق طور پر اطاعت رسول واجب ہوگئی، خواہ اس بات کا حکم کتاب اللہ میں ہو یا نہ ہو، یقیناً آپ کو قرآن عطا کیا گیا ہے اور قرآن کے ساتھ اس کی مثل ایک اور چیز (حدیث) بھی دی گئی ہے۔“ (اعلام الموقعین: ۴۸۸)

مذکورہ آیت کریمہ کی تفسیر میں امام عطاء بن ابی رباح تابعی فرماتے ہیں:

أولو العلم والفقه ، وطاعة الرسول : اتباع الكتاب والسنة  
 ”اولی الامر سے مراد علماء وفقہاء ہیں اور اطاعت رسول کتاب و سنت کی پیروی کا نام ہے۔“

(سنن الدارمی: ۲۳۵، تفسیر ابن جریر: ۱۴۷/۵، وسندہ صحیح)

قرآن و حدیث اور اجماع امت سے ثابت ہو چکا ہے کہ حدیث وحی ہے، اس کو قرآن پر پیش کرنا گمراہی اور ضلالت ہے، نیز اس کا انکار کفر ہے۔

حافظ سیوطی فرماتے ہیں: ان من أنكر كون حديث النبي صلى الله عليه وسلم قولاً كان أو فعلاً ، بشرطه المعروف في الأصول حجة ، كفر وخروج عن دائرة الاسلام ، وحشر مع اليهود والنصارى أو مع من شاء الله من فرق الكفرة .

”حدیث قولی ہو یا فعلی، اسے شرعی دلیل سمجھتے ہوئے، جس نے بھی انکار کیا، وہ کافر ہے اور دائرہ اسلام سے خارج ہے، اس کا حشر یہود و نصاریٰ کے ساتھ ہو گا یا ان کافر فرقوں کے ساتھ جن کے ساتھ اللہ تعالیٰ چاہے گا۔“

(مفتاح الجنة في الاجتماع بالسنة: ۲)



## صحابِ محدثین کے درخشاں سیریل: گونہ اطفال:

حافظ ابو یحییٰ نور پوری

سفر ہو تو ایسا!

پیارے بچو! سفر تو آپ بھی کرتے رہتے ہیں، لیکن میں آج آپ کو ایک عجیب و غریب سفر کی داستان سنانا چاہتا ہوں، امید ہے کہ جہاں یہ واقعہ آپ کی معلومات میں اضافے کا سبب بنے گا، وہاں نہایت سبق آموز بھی ہوگا۔

صدیوں پرانی بات ہے، سخت گرمی کا موسم تھا، تین طالب علم قرآن وحدیث کی تعلیم حاصل کرنے کی غرض سے اپنے علاقے کو خیر باد کہتے ہوئے سمندر پار جانے کے لیے روانہ ہوئے، وہ اس بات پر خوشی سے پھولے نہیں سارے تھے کہ تین مہینوں کا راشن ساتھ لے کر جا رہے ہیں اور اب تو کئی ماہ مسلسل علم حاصل کر کے وہ اپنی علمی پیاس کو قدرے بجھا سکیں گے، لیکن:

ہوتا ہے وہی جو منظور خدا ہوتا ہے

اس دور میں انجنوں کی مدد سے چلنے والے بحری جہاز تو ہوتے نہیں تھے، عام طور پر چھوٹی چھوٹی کشتیاں ہوتیں جو ہوا کے رحم و کرم پر چلتی تھیں۔ اگر قدرتی طور پر ہوا منزل مقصود کی طرف چل رہی ہوتی تو مسافروں کی ”پانچوں گھی میں“ ہو جاتیں، لیکن خدا نخواستہ اگر ہوا مخالف سمت اختیار کر لیتی تو ایسا اوقات کئی کئی ماہ مسافر سمندر میں ہی جھلکتے رہتے اور کھانے پینے کا ختم ہونے یا راستہ بھول جانے کی وجہ سے آخر کار زندگی سے مایوس ہو جاتے۔ یوں سمندر سی لہروں کا شکار ہو کر جان سے ہاتھ دھو بیٹھتے۔

ان طلبہ کے ساتھ بھی ایسے ہی حالات پیش آئے۔ ان کی کشتی بھی مخالف ہوا کی جھینٹ چڑھ گئی، لاکھ جتن کیے لیکن قدرت کو کچھ اور ہی منظور تھا۔ پورے تین ماہ یہ ہوائی طوفان کشتی کو سمندر میں میں گھماتا پھراتا رہا، چند تقیوں کے سوا سارا سامان خورد و نوش کام آچکا تھا۔ ان بے چاروں کے پاس دعاؤں اور التجاؤں کے سوا کوئی چارہ کار نہ تھا، لہذا اللہ تعالیٰ کے سامنے گڑگڑانا شروع کر دیا۔ ایک تو وہ تھے مسافر، دوسرے سفر بھی طلب علم کا تھا۔ ایسے مسافروں کے پاؤں میں تو فرشتوں جیسی مقدس مخلوق بھی اپنے نورانی پیر بچھانا فرماتی ہے، پھر اللہ تعالیٰ جو ”رحم الراحمین“ ہے، اس کی رحمت جوش میں کیوں نہ آجاتی؟ دعا قبول ہوئی اور کشتی کنارے جا لگی، لیکن

آگے آگے دیکھیے ہوتا ہے کیا!

اصل مصیبت کا آغاز اب ہوا۔ مشیختہ الہی کو ان کی آزمائش مقصود تھی اور وہ بھی اپنی دُھن کے ایسے پکے تھے کہ مصائب سے گھبرا کر علم کی راہ سے ہٹ جانا ان کے لیے مشکل ہی نہیں، ناممکن تھا۔ اس لیے بے سروسامانی کو خاطر میں نہ لاتے ہوئے اپنے انجام سے بے خبر منزل کی جانب بڑھنے لگے۔ بھوک لگی تو بچے کچے چند لقمے جو پاس تھے، وہ بھی نگل لیے۔

اب نہ کھانے کو کچھ تھا نہ پینے کو، سورج کی گرم لہو اور صحرا کی تپتی ریت جہنم کا سا سماں پیدا کر رہی تھی۔ سارا دن چلتے چلتے گزر گیا۔ دو روز تک کسی چرند پرند کا نام و نشان تک نہ تھا، سوائے موت کے کچھ نظر نہیں آ رہا تھا، لیکن کھانے کی قلت اور پیاس کی شدت ان کے پایہ استیصال میں لرزش پیدا نہ کر پائی۔ رات ہوئی تو ایک جگہ سو گئے۔ اگلے دن پھر منزل کی طرف

رداں دواں رہے۔ اب تو زبانیں خشک ہو چکی تھیں اور قدم ڈمگانے لگے تھے، پھر سارا دن یوں ہی گزرا۔ رات ہوئی تو ایک جگہ گر گئے۔

کئی دنوں کی مسلسل بھوک اور پیاس نے ان کو کسی کام کا نہ چھوڑا تھا۔ تیسرا دن تو گویا ان کے لیے قیمت ثابت ہوا۔ ان کی حالت اتنی دگرگوں ہو گئی کہ تھوڑی دیر چلنے کے بعد ایک طالب علم بے ہوش ہو کر گر پڑا۔ ذرا اندازہ کریں کہ بھوک پیاس نے اگر باقی دو ساتھیوں کے پلے کچھ چھوڑا ہوتا تو وہ اسے سنبھالتے۔ ان کو تو اپنی جانوں کے لالے پڑے ہوئے تھے۔ اس دھچکے کے بعد وہ اپنی موت کو اور قریب دیکھنے لگے تھے۔ اسے وہیں چھوڑ کر دونوں پانی کی تلاش میں نکل کھڑے ہوئے، تھوڑی دور گئے تھے کہ دوسرا بھی گرمی اور پیاس کی تاب نہ لاتے ہوئے زمین بوس ہو گیا۔ اس اکیلے ساتھی کی مصیبت کا ذرا تھوڑ کر کریں جو اپنے دونوں دوستوں کو گرمی اور پیاس سے تڑپ کر گرتا ہوا دیکھ تو سکتا تھا، کچھ کہہ نہیں سکتا تھا۔ یہ سب کچھ دیکھنے کے بعد اس کے اپنے حواس بھی جواب دینے لگے تھے، لیکن پھر بھی ہمت کر کے ادھر ادھر پانی کی تلاش میں دوڑنے لگا۔

پھر وہی ہوا جو ہمیشہ سے سنت الہی ہے۔ اللہ تعالیٰ کا قانون ہے کہ وہ اپنے دین کے طالبوں اور خادموں کو آزما تا ضرور ہے، لیکن کبھی بے یار و مددگار نہیں چھوڑتا۔ ان کو چھوڑنا ضرور ہے، لیکن کبھی ناکامی و نامرادی کا منہ نہیں دکھاتا۔ اس کا وعدہ جو ہے: ﴿وَلْيَنْصُرَنَّ اللَّهُ مَنْ يَنْصُرُهُ﴾ (الحج: ۷۱)

”جو اللہ کے دین کے خادم ہوتے ہیں، اللہ ان کی ضرورت ضرور مدد فرماتا ہے۔“

﴿وَكَانَ حَقًّا عَلَيْنَا نَصْرُ الْمُؤْمِنِينَ﴾ (الروم: ۴۷) ”ہم پر مومنوں کی مدد لازم ہے۔“

دین کے ان جاں نثار طالب علموں کے مومن ہونے میں کس کوشہ ہو سکتا ہے؟ نیز آنے والے دنوں میں اللہ تعالیٰ نے ان سے اپنے دین کا بہت بڑا کام لینا تھا، لہذا اللہ تعالیٰ کی مدد آپہنچی۔ اپنے دوستوں کی زندگی بچانے کے لیے نکلنے والا اکیلا طالب علم اچانک ایک قافلے کو دیکھتا ہے۔ اسے زندگی کی ہلکی سی کرن محسوس ہوئی، چنانچہ اپنا کپڑا ہلا کر ان کو اپنی طرف متوجہ کرنے لگا۔ قافلے والوں نے اسے دیکھا تو ٹھہر گئے۔ گرمی اور پیاس اس پر بھی اپنا کام کر چکی تھی، قریب تھا کہ یہ بھی گر جاتا۔ انہوں نے اسے پانی پلایا۔ جب جان میں جان آئی تو ان کو لے کر اپنے ساتھیوں کی طرف دوڑا۔ پہلے ایک تک پہنچے اور اسے پانی کے چھینٹے مارے، کچھ ہوش دھواں بحال ہوئے تو تھوڑا تھوڑا کر کے پانی پلایا، پھر دوسرے کے پاس دوڑے دوڑے گئے اور اسے بھی پانی پلا کر ہوش میں لائے، پھر قافلے نے ان پر ترس کھایا اور کچھ سامان خورد و نوش ان کو مہیا کیا۔

اسی سفر میں ان کو بھوک کی وجہ سے ایک مردہ جانور کے انڈے ملی کر بھی اپنی جان بچانا پڑی تھی۔

لیکن بھوک پیاس اور گرمی کی اتنی صعوبتیں اٹھانے کے بعد کیا وہ اپنے مشن سے دستبردار ہو گئے تھے؟ ہرگز نہیں! علم کی راہ میں ملنے والے یہ مصائب و آلام ان کو اس راہ سے ایک قدم بھی دور نہ کر سکے، بلکہ ان کے شوق میں اور اضافے کا سبب بن گئے، چنانچہ وہ ایک بار پھر نئے ولولے سے طلب علم کے لیے روانہ ہو گئے۔

(تقدمة الجرع والتعديل: ۳۶۶، ۳۶۵، ۳۶۴، وسندہ صحیح)

یہ (۲۱۴) ہجری کا واقعہ ہے، یعنی اسے قریباً بارہ سو برس بیت چکے ہیں، لیکن آج بھی دین کے ان شیدائی طلباء کے یہ کارنامے کتابی صورت میں اہل علم کے سامنے ہیں اور قیامت تک وہ انہیں اپنے لیے مشعلِ راہ بناتے رہیں گے۔ ان شاء اللہ

ان طلبہ میں سے ایک کو ”امام ابو حاتم الرازی رحمہ اللہ“ کے نام سے یاد کیا جاتا ہے، جو اپنے دور کے بہت بڑے محدث ہوئے اور علمِ حدیث میں ایسے کارہائے نمایاں سرانجام دیے کہ بعد میں آنے والے ان کو فراموش کر کے حدیث کے میدان میں ایک قدم بھی نہیں چل سکتے۔

آپ امام بخاری اور امام ابو زرعہ الرازی کے ہم عصر، امام احمد بن حنبل کے شاگرد اور امام ابو داؤد، امام نسائی، امام ابن ماجہ اور دیگر بڑے بڑے محدثین کے استاذ تھے۔ تمام ائمہ کرام نے بالاتفاق ان کی تعریف و توثیق کی ہے۔

آپ کی زندگی کا ایک ناقابل فراموش واقعہ یہ بھی ہے کہ دورانِ سفر زاوراہ ختم ہونے پر مزید علم دین حاصل کرنے کے لیے اپنے پیڑے بچ کر بھی گزارہ کیا تھا۔ (تقدمة الجرع والتعديل: ۳۶۳، وسندہ صحیح)

ہے کوئی طالب علم جو دنیا اور آخرت کی سعادتوں کو حاصل کرنے کے لیے آج بھی اپنے اسلاف کی روایات کو زندہ کرتے ہوئے طلبِ علم کی مشکلات کو خندہ پیشانی سے برداشت کرے تاکہ اللہ تعالیٰ اپنا یہ وعدہ پورا کرے:

﴿وَالَّذِينَ جَاهَدُوا فِينَا لَنَهْدِيَنَّهُمْ سُبُلَنَا﴾ (العنکبوت: ۶۹)

”اور جو لوگ ہمارے (دین کے راستے) میں محنت کرتے ہیں، ہم ضرور ضرور ان کو اپنے (کامیابی و کامرانی والے) راستے دکھاتے ہیں۔“

کیا آپ تیار ہیں؟



## داڑھی منڈوانا مجوسیوں کا کام ہے

سیدنا ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مجوسیوں کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا:

انهم يوفون سبالهم ويحلقون لحاهم ، فخالقوهم .

”وہ مونچھیں بڑھاتے ہیں اور داڑھیاں منڈواتے ہیں، تم ان کی مخالفت کرو۔“

(مصنف ابن ابی شیبہ: ۵۶۷، ۵۶۶/۸ الاوسط للطبرانی: ۱۶۵، ۱۶۴ السنن الکبریٰ للبیہقی: ۱۵۷/۱)

نعم الایمان للبیہقی: ۶۰۲، وسندہ صحیح)

امام ابن حبان (۵۴۷) نے اس حدیث کو ”صحیح“ کہا ہے۔

اس کا راوی معقل بن عبید اللہ الجزری ”حسن الحدیث“ ہے۔

## ہمارا عزم

- ☆ سلف صالحین کے منہج کے مطابق قرآن و سنت کا فہم
- ☆ سلف صالحین کے طریق پر عقیدہ تو حید کا احیاء
- ☆ بدعات و خرافات کا علمی اور تحقیقی رد
- ☆ اصول محدثین کے مطابق دفاع حدیث
- ☆ روزمرہ زندگی میں پیش آمدہ مسائل کا قرآن و حدیث کی روشنی میں حل
- ☆ سلفی المنہج، غیور اور فکری اہل حدیث افراد کی تیاری
- ☆ اہل القرآن والسنة والاجماع سے خیر خواہی

جیسا کہ امام اوزاعی رحمہ اللہ (رحمہم اللہ) فرماتے ہیں:

إصْبِرْ نَفْسَكَ عَلَى السُّنَّةِ، وَاقِفْ حَيْثُ وَقَفَ الْقَوْمُ، وَقُلْ بِمَا قَالُوا، وَكُنْ عَمَّا كَفُّوا عَنْهُ، وَاسْلُكْ سَبِيلَ سَلَفِكَ الصَّالِحِ، فَإِنَّهُ يَسْعَاكَ مَا وَسِعَهُمْ ”سنت پر ڈٹ جا، وہیں ٹھہر، جہاں (سلف) لوگ ٹھہرے ہیں، وہی کہہ جو انہوں نے کہا، جس قول و فعل سے وہ رکے ہیں، اس سے تو بھی رک جا اور اپنے سلف صالحین کی راہ پر چلتا رہ، وہی چیز (قرآن و سنت) تجھے کافی ہو جائے گی، جو ان کو کافی ہوئی تھی۔“

(مطبوعة الذوليا. لندبي نعيم الذ صبراني: ١٤٢/٦ وسنة صمير)

قارئین کرام! ماہنامہ **السنة** آپ کا اپنا رسالہ ہے، خود پڑھیں، دوسروں کو پڑھنے کی دعوت دیں، ہمیں آپ کی قیمتی آراء کا انتظار رہے گا، اپنے گراں قدر مشوروں سے نواز کر شکریہ کا موقع دیں

انٹرنیٹ پر **السنة** پڑھنے کے لئے

[www.AhleSunnatPk.com](http://www.AhleSunnatPk.com)